سہ ماہی

پیام برکات

جولائی تا ستمبر ۲۰۲۰ء جلد-۲ شمارہ-۳

خط و کتابت کا پتہ

Payam e Barkaat (Quarterly), Al-Barkaat Islamic Research & Training Institute, Aligarh (U.P) 202122
Email: payamebarkaat@gmail.com

قیمت فی شمارہ:-/Rs. 35 سالانہ: -/Rs. 130

سید محمد امان قادری نے عابد نسیم Marwah Graphics Enterprises، بدر باغ، جیل روڈ، علی گڑھ-202002
سے چھپوا کر دفتر البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ سے شائع کیا۔

فہرست

امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری صاحب مدظلۂ العالی

پیغام

پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خواجۂ بزرگ سلطان الہند عطائے رسول غریب نواز سیدنا معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف اقلیم ولایت کے تاجدار اور امتیازی کرامات وروحانیت کے علمبردار ہیں بلکہ ہندوستان کی مخلوط تہذیب وثقافت میں منفرد وممتاز قیادت کے حامل بھی۔ بلاشبہ سرکار غریب نواز کی آمد سے لے کر دور حاضر تک سرزمین ہندوستان پر ان کی بلاشرکتِ غیر حکومت ہے۔ مہاراجہ دھراج سلطان الہند کے دربار کی وہ امتیازی شان ہے کہ صبح ،شام اس بارگاہ میں تمام قوموں اور مذاہب کے لوگ اپنے دامن کو پھیلائے بارگاہ خداوندی میں اپنی مرادوں کے برآنے کے لیے سفارشیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کامران ہوکر دامنِ مراد بھر کر واپس ہوتے ہیں۔ حکومتیں اور سربراہان حکومت اپنی دستارِ اقتدار خواجۂ بزرگ کے قدموں میں رکھنا اپنے اقبال مند ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں۔

حال میں ایک ٹیلی ویژن کے صحافی کے ذریعے خواجۂ خواجگان کی شان میں گستاخانہ کلمات ادا کرنے اور اس کے نتیجے میں سامنے آئے رد عمل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ سرکار سلطان الہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہندوستانی مسلمانوں کو کس درجہ عمیق وابستگی ہے۔ ایک نازیبا جملے کے منظر عام پر آنے کے بعد کشمیر سے کنیا کماری اور بنگال سے کاٹھیاواڑ تک خواجہ کے دیوانے اپنی جان کو ناموس ارادت وعقیدت پر لٹانے کو کمر بستہ ہوگئے۔

ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی بد بخت و بے عقل جس کو نہ تو ہندوستان کی مخلوط تہذیب کا علم ہے اور نہ بین الاقوامی منظرنامے پر سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کا اندازہ ہے، ان کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت کی، لیکن تمام اہل مشرب واہل مسلک نے جس طرح اس کے باطل ارادوں کی سرکوبی کی وہ لائق تحسین ہے اور بالخصوص برکاتی نوجوانوں کی سعی کے لیے میں ان کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

رب تبارک وتعالیٰ ہم کو دین متین اور مسلک ومذہب کی مخلص خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

دعا گو

سید محمد امین قادری
سجادہ نشین
خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ضلع۔ایٹہ (یو. پی)

ڈاکٹر محمد سلمان رضا علیمی علیگ

اداریہ

دین رحمت

ہمیں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم اسلام کے سائے میں ہیں:

آج کے اس پرفتن اور خوف زدہ ماحول میں کہ جب سارے پنتھ، سارے مذاہب یہاں تک کہ حکومتیں بھی بے بسی کا اظہار کر کے اپنے ہاتھ کھڑا کر چکی ہیں، سب کے سب غیر یقینی صورت حال کا شکار ہیں، ایسے وقت میں اسلام لوگوں کے لئے سایۂ رحمت اور کھیون ہار ثابت ہوا ہے، اسلام تو روز اول ہی سے لوگوں کو حفاظت اور سکون فراہم کر رہا ہے اور مسیحائی کا یہ عنصر اس وقت اور اپنے شباب پر ہوتا ہے جب اس کے نام لیوا اس کے رنگ میں رنگ کر زیادہ سے زیادہ اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں، اسلام کی تعلیمات کو اپنانے میں جس قدر فی صد کا اضافہ ہوتا ہے اسی قدر لوگ سکون اور امن وچین میں ہوتے جاتے ہیں، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ کا زمانہ دیکھ لیجیے کہ انسان تو انسان پہاڑوں پر بسنے والے پرندوں کے لیے بھی دانہ ڈلوایا جاتا ہے، آپ تاریخ کے اوراق پلٹتے جایئے امن وسکون بخشنے والی ایسی ان گنت مثالیں آپ کو ملتی چلی جائیں گی، آج کی اس غیر یقینی صورت حال میں، مزدوروں، مسافروں، بے سہارا لوگوں کی مدد کے لئے جو ہاتھ اٹھے ہیں ان میں اکثریت اسی مذہب کے ماننے والوں کی ہے جب حکومت اور سماجی خدمات کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے اپنے ہاتھ کھڑے کر دیے تب یہ مذہب اور اس کے ماننے والے بے سہارا لوگوں کا سہارا بن کر کھڑے ہوئے ہیں، گاؤں دیہات، قصبہ، شہر، محلّہ جہاں بھی اس مذہب کے ماننے والے لوگ موجود ہیں کوئی بھوکا نہیں سویا ہے، دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح سے لوگوں کی مدد کی ہے۔ میں یہ بات ایسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ لوگوں کے چہروں کا سکون کہہ رہا ہے، وہ زبانیں جو مسلمانوں کے خلاف صرف زہر اگلا کرتی تھیں آج یا تو خاموش ہیں یا بے ساختہ رطب اللسان ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جواہر لعل نہرو میڈکل کالج میں بھرتی (کورونا پازیٹو) آر ایس ایس ممبر کا یہ بیان ملاحظہ کیجیے۔

''جب میں اسپتال میں داخل ہوا تو مجھے کچھ خدشات تھے مگر ڈاکٹرز اور دیگر اسٹاف بہت اچھے طریقہ سے میرے ساتھ پیش آئے اور تن، من دھن سے میری سیوا ہوئی ۱۳ مئی کو جب میں اس اسپتال میں ایڈمٹ ہوا تو میری حالت ابتر تھی مگر یہاں کے ڈاکٹر تو دیوتا ہیں ان کے قدم چومنا چاہیئے، میں جب ایڈمٹ ہوا تھا تو مجھے مصنوعی آکسیجن کی ضرورت تھی اور آج میں مکمل ٹھیک ہوں، ہر دن پرنسپل ڈاکٹر شاہد آتے اور پوچھتے شیام بابو آپ کیسے ہیں؟ (مریض شیام سندر۔ اخبار دی ہندو، ۲۲ مئی ۲۰۲۰ء)

یہ تو صرف ایک مثال ہے مدد کی ایسی ہزاروں بلکہ لاکھوں مثالیں لاک ڈاؤن کی اس مدت میں مسلمانوں نے رقم کی ہیں، کچھ کو تو لکھنے والوں نے لکھ لیا ہے اور بقیہ کا گواہ یہ نیل گوں آسمان اور موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ ہے۔

یہ سکے کا صرف ایک رخ تھا اب دوسرا رخ دیکھیے کہ کیا ہمیں بحیثیت مسلمان اللہ کا شکر ادا نہیں کرنا چاہیۓ کہ اس نے ہمیں یہ شاندار مذہب دیا جس نے قدم بہ قدم ہماری رہنمائی کی ہے، قربان جایئے اس مبارک مذہب پر کہ اس کو لانے والے نبی محمد ﷺ نے شعب ابی طالب میں تین سال تک لاک ڈاون سے بھی سخت زندگی گذار کر اپنے ماننے والوں کو ایک طریقہ کار دے دیا ہے۔ اس وقت حالات اس سے بھی زیادہ سخت تھے، بزرگ صحابی، فتح قادسیہ میں مسلمانوں کے لشکر کے امیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ بیان ملاحظہ کیجیے:

علامہ سہیلی لکھتے ہیں:

’’ الصحیح میں ہے کہ شعب میں محصورین کو بڑی مصیبت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا وہاں وہ درختوں کے پتے اور بیری کے پتے کھا کر گزارا کرتے۔ ان محصورین میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے آپ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ میں ایک دن از حد بھوکا تھا رات کو اندھیرے میں میرا پاؤں کسی گیلی چیز پر آ گیا میں نے اسے اٹھا کر منھ میں ڈالا اور نگل لیا۔ مجھے اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ کہ میں پتہ کرتا کہ وہ کیا چیز ہے اور اب تک مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔

یونس حضرت سعد سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ایک رات میں پیشاب کرنے کے لیے باہر نکلا اور جب میں پیشاب کرنے لگا تو جہاں میرا پیشاب گر رہا تھا وہاں کسی چیز کی مجھے آواز آئی میں نے اٹھایا تو وہ اونٹ کے خشک چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ میں نے اسے لیا پھر اسے دھویا پھر اسے جلا کر راکھ کیا پھر اسے کوٹا پھر اسے پانی میں ملا دیا اور تین دن تک اسے کھاتا رہا،، (ضیاء النبی، ج ۲/ص ۳۸۷ بحوالہ الروض الانف ج ۲/ص ۱۲۷)

یہ طویل محاصرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور آپ کے اصحاب اور خاندان کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا، اتنا تکلیف دہ کہ بھوک سے بلکتے ہوئے معصوم بچوں کے رونے کی آواز شعب سے باہر دور دور تک سنائی دیتی۔

اللہ کی بے پناہ رحمتیں نازل ہوں اس مبارک ہستی پر اور اس مبارک ہستی کو اپنا نبی ماننے والوں پر یقیناً انھوں نے ہمیں ایسا طریقہ حیات دے دیا ہے کہ حالات کیسے بھی ہوں ہم کبھی بھی پریشان نہیں ہو سکتے (اگر ہم اسلام کے سچے نام لیوا ہیں تو)۔

آج جب کہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے پوری دنیا حیران و پریشان ہے، لوگ تناؤ کا شکار ہو رہے ہیں، کمپنیاں ڈوب رہی ہیں، ایمان سے خالی لوگ اپنی جانیں لے رہے ہیں، روزگار بند ہونے کی وجہ سے لوگوں کی جمع پونجی بھی یا تو ختم ہو چکی ہے یا ختم ہونے کو ہے اور ایسا لگتا ہے کہ حالات اور ابتر ہو جائیں گے، لوٹ پاٹ اور رہزنی میں مزید اضافہ ہوگا، ایسے وقت میں پوری دنیا کے لیے دین رحمت، اسلام کے متبعین کی ذمہ داریاں اور بڑھ جائیں گی، ہمیں اور بڑھ چڑھ کر لوگوں کی مدد کرنی ہوگی، جسمانی مدد بھی اور روحانی مدد بھی، جسمانی مدد اس وجہ سے تا کہ وہ زندہ رہ سکیں اور روحانی مدد اس وجہ سے تا کہ وہ پاگل پن اور ڈیپریشن کا شکار نہ ہوں۔ اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم نے مدد کی ہے، کر رہے ہیں اور کریں گے بھی، کیونکہ ہمارے مذہب نے ہمیں یہی سکھایا ہے، اور یہ ہمارا فریضہ بھی ہے اور اپنے مالک کو راضی کرنے کا بہترین ذریعہ بھی۔

احسان فراموش مت بنیے، اللہ والوں کی قدر کیجیے

آپ پریشان حال ہیں؟

آپ کو بھوک اور پیاس ستا رہی ہے؟

آپ کو سکون نہیں ملتا؟

آپ یتیم ہیں؟

آپ بیوہ ہیں؟

آپ کے پاس دنیا کے سارے مادی وسائل موجود ہیں مگر پھر بھی آپ پریشان ہیں؟

آپ علم حاصل کرنے کے بعد بھی تکبر اور انا سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہے ہیں؟

آپ اللہ تعالیٰ سے قربت چاہتے ہیں؟

آپ کو عبادت میں چاشنی مطلوب ہے؟
آپ کے اندر ہمیشہ نفرت کے جذبات ہی ابھرتے ہیں؟
آپ کو محبت بھاتی نہیں ہے؟
آپ کے بچے آپ سے دور ہوتے جا رہے ہیں؟
حکومت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں مگر پھر بھی آپ رعایا کی خدمت نہیں کر پا رہے ہیں؟
آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں مگر کر نہیں پاتے؟

اسی طرح مختلف قسم کے سوالات لیے مدد کے خواہاں لوگ درگاہوں، خانقاہوں کا رخ کرتے ہیں اور زمانہ گواہ ہے اس بات پر کہ ہمہ وقت ان کی خوب مدد کی جاتی ہے پھیلائے ہوئے دامن کو اس قدر بھرا جاتا ہے کہ پھر کہیں اور پھیلانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، مدد کا نہ تو کوئی بورڈ ہے نہ کوئی اشتہار، نہ اعلان مگر لوگ کشاں کشاں چلے آتے ہیں، سرحد اور مذہب کی قید کے بغیر۔

یہاں تو نام پوچھے بغیر جھولیوں کو بھرا جاتا ہے، اچھی ہی چیزیں یہاں ملتی ہیں نفرت کے بدلے محبت، مرض کے بدلے صحت محتاجی کے بدلے استغنا، کشمکش کے بدلے سکون، انکار کے بدلے اقرار، نافرمانی کے بدلے اطاعت، مخلوق کی پوجا کے بدلے خالق کی بندگی غرضیکہ جتنی بھی اچھی چیزیں ہو سکتی ہیں سب یہاں ملتی ہیں۔

یہاں تو سب کے سب نوازے جاتے ہیں، انسان تو انسان، جانور، چرند پرند تک کا خیال یہاں رکھا جاتا ہے، سب کے سب محبتوں کے اس باغ سے اپنے اپنے حصے کا پھول چنتے ہیں

لوگوں کی مدد کا یہی طریقہ کار رہا ہے صوفیائے کرام کے یہاں اور مدد کا یہ تسلسل کبھی ٹوٹتا بھی نہیں ہے وہ چاہے اس دنیا میں ہوں یا نہ ہوں۔

دنیا کے ہر ایک گوشے میں پھیلے ہوئے بزرگوں اور خانقاہوں کا یہی اصول ہے اللہ کی مخلوق کی مدد کا، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ چیزیں ڈھکی چھپی ہوں سب تو دیکھتے ہیں، تاریخ کے اوراق صوفیائے کرام کی مدد کے تذکرے سے بھرے پڑے ہیں۔

اب اگر ایسی صالح اور مصلح ذاتوں پر کوئی انگلی اٹھائے تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ یہ نفرت کے سوداگر ملک کو امن وامان اور عروج وترقی کے علاوہ کسی اور راستے پر لے جانا چاہتے ہیں، اور یقیناً ایسے لوگوں کو تو جی بھر کے سزا ملنی چاہیے خواہ وہ کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔

اور ایک بات ہمیں ضرور ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہمارے اس ملک کا جوڑ ھانچہ اور طبیعت ہے اسے صوفیائے کرام کی تعلیمات اور ان کی مدد حاصل کر کے ہی چلایا جا سکتا ہے، یقیناً ان کے بغیر ترقی اور امن وچین کی باتیں بے معانی ہیں۔

اللہ کے نیک بندوں کا لحاظ کیجئے اگر آپ ترقی کے خواہاں ہیں تو......۔

تاریخ گواہ ہے کہ جس کسی نے بھی ان کے مرتبے کا پاس ولحاظ نہ رکھا انہیں ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہ ملا، اسی وجہ سے اپنی زبان کو بے لگام کرنے سے پہلے تاریخ کے صفحات پلٹ کر دیکھ لیجیے کہ اللہ کے ان نیک بندوں سے ٹکرانے کا کیا انجام ہوتا ہے؟

ڈاکٹر محمد سلمان رضا علیمی علیگ☆

انوار قرآن

تناؤ کے حل کا اسلامی طریقۂ کار

قرآن کریم میں غور وفکر کرکے تناو پر قابو پایا جاسکتا ہے:

آج کے اس دور میں انسان نے بہت ساری مصیبتیں مول لے رکھی ہیں، انہیں مصیبتوں میں سے ایک مصیبت تناو بھی ہے، مطالعہ کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ تناو کا کوئی اپنا مستقل وجود نہیں ہے بلکہ یہ دوسری بیماریوں (چاہے وہ جسمانی ہوں یا ذہنی) کی وجہ سے وجود میں آتا ہے، انسانی دل و دماغ کو اپنا مسکن بناتا ہے اور پھر وہ کارنامے کر ڈالتا ہے جو بڑی بڑی بیماریاں بھی نہیں کر پاتی ہیں۔

خیر لوگوں نے اسے دور کرنے کے لئے بہت تگ و دو کیا، حکیموں نے اپنی حکمت آزمائی، طبیبوں نے اپنی طبابت، راہبوں نے اپنی رہبانیت، منصفوں نے اپنا انصاف غرضیکہ سب لوگوں نے اپنی اپنی حیثیت اور اپنی اپنی سوچ کے مطابق اسے دور کرنے کی کوشش کی، اقوام متحدہ تک میں اس کی چرچا کی گئی، سلامتی کونسل کو اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا جب دیکھیے تب تناو کی صورت حال ہے، کبھی اِس کے اور کبھی اُس کے درمیان۔

الگ الگ مذاہب نے بھی تناو کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے لئے عمل بھی بتلائے ہیں، اپنے اپنے زمانے میں انہیں بہت حد تک کامیابی بھی ملی ہے مگر ابھی فی الحال تناو کو دور کرنے کے سلسلے میں مذہب اسلام نے کیا طریقہ اپنایا ہے ہم اسی طریقہ پر گفتگو کرنے کی کوشش کریں گے، اور ہماری گفتگو اس بات پر ہوگی کہ تناؤ کیا ہے اور اسلامی طور طریقوں کو اپنا کر کس طرح سے اسے دور کیا جاسکتا ہے۔

تناؤ کیا ہے:

تناؤ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا تجربہ انسان کو اس وقت ہوتا ہے جب اسے یہ لگتا ہے کہ میری اہلیت اور صلاحیت سے زیادہ مجھ پر کام آ گیا ہے۔ وہ، اور اس کے وسائل اس کام کو سمیٹنے میں نااہلی کا احساس دلاتے ہیں اس وقت جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے تناؤ کہتے ہیں۔ تناؤ کی تھوڑی مقدار تو ضروری ہے لیکن تناؤ کی یہی مقدار جب بڑھنے لگتی ہے تو سب سے زیادہ دل متاثر ہوتا ہے اور آج کل اس کرۂ ارضی پر جس چیز سے سب سے زیادہ لوگ موت کا شکار ہو رہے ہیں وہ دل کی بیماریاں ہیں، اس کے علاوہ دیگر مہلک بیماریاں جیسے کہ بلڈ پریشر، ہاضمہ کی کیفیت بھی تناؤ کی وجہ سے زور پکڑتی ہے۔

دور جدید میں تناؤ کے سلسلے میں جو اہم کام سامنے آئے ہیں اس میں سب سے اہم کام Selye کا ہے یہ ہنگری میں پیدا ہوئے اور پھر کینیڈا چلے گئے، ۱۹۰۷ء سے ۱۹۸۲ء تک یہ بقید حیات رہے۔

انہوں نے endocrinologist کی حیثیت سے شہرت پائی، چارلسٹ گریسن نے سلی کو biologicalstress کی کھوج میں سب سے پہلا مقام دیا ہے۔

سلی نے stress پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے کہ Stress of life (1956), Stress without distress (1974) اور ان کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ انھوں نے ۱۹۷۵ء میں International Institute of Stress قائم کیا۔

سلی کا کہنا ہے کہ Complete freedom from

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ، البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ (یو۔ پی)

Stress is death تناؤ سے مکمل آزادی موت ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ تناؤ صرف اور صرف نقصان دہ ہی ہوتا ہے بلکہ اس کی کچھ مقدار ضروری بھی ہے۔

اس عظیم سائنسداں کے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں نے تناؤ پر کام کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مغرب کے یہ لوگ جتنا زیادہ تناؤ کو دور کرنے کے لیے کام کررہے ہیں اتنا ہی زیادہ تناؤ کے مریض بڑھتے ہی جارہے ہیں۔

ہندوستانی مفکر سوامی نکل نندا (Swami Nikil Nanda 2006) نے بھی تناؤ پر کام کیا ہے انہوں نے تناؤ کو دور کرنے کی Novel ٹیکنک بتلائی ہے وہ کہتے ہیں کہ stress ورڈ ہی میں stress کا علاج چھپا ہوا ہے وہ stress ورڈ کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"Stress"

S= strength (physical & mental)
T= Traffic Control in Mind (Thoughts)
R= Redesign life style
E= Erase anger, fear and ego
S= sharing knowledge,workload,Experience and sorrow
S= surrender to the Lord

(Organisational theory and behaviour)

(Source: https://en.wikipedia.org/wiki/Hans_Selye)

اب ہم جائزہ لیتے ہیں ان طریقوں کا جو مذہب اسلام میں تناؤ کی کیفیت کو دور کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں، مذہب اسلام کے ساتھ جو کتاب آسمان سے نازل کی گئی ہے وہ قرآن کریم ہے، یہ اللہ کی کتاب ہے، اس کتاب میں انسانوں کے لئے رہنما ہدایات ہیں، انسانوں کو اچھا اور نیک بنانے اور بننے کے سارے اصول اس میں بتلا دیے گئے ہیں، وہ چیزیں بھی بتلادی گئی ہیں جو دل ودماغ کے سکون کا سبب بنتی ہیں اوران چیزوں کا بھی ذکر کردیا گیا ہے جو دل ودماغ کے سکون کو غارت کردیتی ہیں، اور پھر انسان اس کیفیت میں چلا جاتا ہے جسے ہم تناؤ کہتے ہیں، آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کون سی چیزیں ہیں؟ وہ وجوہات کیا ہیں؟ انسان کی وہ کون سی حرکتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ تناؤ جیسی کیفیت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

انسان کی کارگزاریوں کی فہرست ویسے تو بہت طویل ہے مگر ہم ان میں سے چند چیزوں کو ذکر کردیتے ہیں اور یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو انسان کو ہمیشہ پریشانیوں میں مبتلا کیے رہتی ہیں اور اگر انسان چاہے تو ان چیزوں سے بچ کر سکون حاصل کرسکتا ہے۔

۱- طاقت کی لالچ (Greed for Power):

ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس طاقت ہو قوت ہو، لوگ اس کو سلام کریں۔ حالانکہ لوگوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ طاقت وقوت صرف اللہ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ''

ترجمہ: بیشک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا قوت والا قدرت والا ہے۔ (الذاریات:۵۸)

۲- حسد (Jealousy):

آدمی کے اندر جتنا زیادہ حسد ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ تناؤ میں رہے گا حسد کرنے والا خود تو تناؤ میں رہتا ہی ہے ساتھ ہی دوسروں کو بھی اپنی شرارت سے تناؤ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے کہ ہم ہمیشہ حاسدوں کے شر سے پناہ مانگتے رہیں

''وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَد''

ترجمہ: اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے (سورہ فلق:۵)

اس کے علاوہ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَلَا تَتَمَنَّوُاْ مَا فَضَّلَ اللّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُواْ اللّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً''

ترجمہ: اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی، مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔

اورعورتوں کے لیےان کی کمائی سے حصہ ہے۔اوراللہ سےاس کا فضل مانگو بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔(سورہ النساء:۳۲)

۳- Loss of beloved ones and Job:

کسی پیارے کے انتقال یا نوکری وغیرہ کے چھوٹ جانے پر بھی ہم تناؤ میں آجاتے ہیں حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہیئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

''مَا عِندَکُمْ یَنفَدُ وَمَا عِندَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُواْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا کَانُواْ یَعْمَلُونَ"

ترجمہ: جوتمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہےاور ہم صبر کرنے والوں کوان کے بہترین کاموں کے بدلے میں ان کا اجرضرور دیں گے''۔(سورہ نحل: ۹۶)۔

اللہ کے نزدیک صبر کرنے والے وہ لوگ ہیں جواپنا سب کچھ اللہ کی مرضی کے مطابق کیے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ ، الَّذِیْنَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِیْبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـا إِلَیْهِ رَاجِعونَ۔"

ترجمہ: اورخوش خبری سناؤ صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔(سورہ بقرہ:۱۵۶)

۴- اختلاف رائے(Difference of Opinion):

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی وجہ سے بھی انسان تناؤ میں آجاتا ہے حالانکہ تناؤ میں نہیں آنا چاہیے بلکہ معاملہ کو اللہ کے سپرد کردینا چاہیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِن شَیْءٍ فَحُکْمُهُ إِلَی اللّٰهِ ذَلِکُمُ اللّٰهُ رَبِّی عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَإِلَیْهِ أُنِیْبُ''۔

ترجمہ: تم جس بات میں اختلاف کروتو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔ یہ اللہ میرا رب ہے، میں نے اس پر بھروسہ کیا اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔(شوریٰ آیت:۱۰)

۵- ایمانداری اورانصاف(Honesty & Justice):

ایمانداری اورانصاف کے فقدان سے بھی لوگوں کے اندر تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے انصاف اور ایمانداری جتنی زیادہ رواج پائے گی لوگ اتنا ہی زیادہ خوش وخرم رہیں گے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَأَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ''

ترجمہ: اور آسمان کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا اور ترازو رکھی تا کہ تم تولنے میں بے اعتدالی نہ کرو،اورانصاف کے ساتھ تول قائم کرواوروزن نہ گھٹاؤ۔(سورہ رحمٰن:۷،۸،۹)

اسی چیز پر قائم رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ سورہ عصر میں خوش خبری دیتا ہے:

''وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِی خُسْرٍ إِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ''۔

ترجمہ: زمانے کی قسم، بیشک آدمی ضرورنقصان میں ہے، بجز ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کوحق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔ (سورہ عصر)

مزید برآں اللہ تعالیٰ سورہ انبیاء میں ارشاد فرماتا ہے:

'' وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئاً وَإِن کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَیْنَا بِهَا وَکَفَی بِنَا حَاسِبِیْنَ ''

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن عدل کے ترازو رکھیں گے تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اوراگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگی تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں۔(انبیاء:۴۷)

۶- شک وکینہ(Suspicion and Spitefullness):

شک وکینہ بھی ان چیزوں میں بہت اہم ہیں جوانسانوں کو تناؤ میں مبتلا کردیتی ہیں،ہمیں تناؤ سے دور رہنے کے لئے ان چیزوں

سے بھی دور رہنا ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا کَثِیراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا یَغْتَب بَّعْضُکُم بَعْضاً أَیُحِبُّ أَحَدُکُمْ أَن یَأْکُلَ لَحْمَ أَخِیهِ مَیْتاً فَکَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِیمٌ''

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہوجاتا ہے اور عیب نہ تلاش کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (سورہ حجرات: ۱۲)

۷- معاف کرنا (Forgivness):

ایک دوسرے کو معاف کرنا بھی آدمیوں کو تناؤ سے بچاتا ہے، اس سے اللہ بھی خوش ہوتا ہے اور بندے کو بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

'' وَالَّذِینَ یَجْتَنِبُونَ کَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ یَغْفِرُونَ''

ترجمہ: اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور جب غصہ آئے معاف کردیتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۳۷)

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِینَ

ترجمہ: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منھ پھیر لو۔ (اعراف ۱۹۹)

''وَجَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا یُحِبُّ الظَّالِمِینَ''

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ اس کے برابر برائی ہے تو جس نے معاف کیا اور کام سنوارا تو اس کا اجر اللہ پر ہے بیشک وہ ظالموں کو پسند نہں کرتا۔ (الشوری: ۴۰)

''وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ''

ترجمہ: اور بیشک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔ (الشوری: ۴۳)

۸- خود احتیاطی (Self restraint):

انسان اس وقت بھی تناؤ کا شکار ہوجاتا ہے جب وہ اپنی خواہشات پر کنٹرول نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''فَإِن لَّمْ یَسْتَجِیبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا یَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِینَ''۔

ترجمہ: پھر اگر وہ یہ تمہارا فرمانا قبول نہ کریں تو جان لو بس وہ اپنی خواہشوں ہی کے پیچھے ہیں اور اس سے بڑھ کر کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔ (سورہ قصص: ۵۰)

اور جو لوگ اپنے نفس کی پیروی نہیں کرتے ہیں اور اس کو کنٹرول میں رکھتے ہیں تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی خوش خبری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَأْوَى''۔

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے روکا تو جنت ہی ٹھکانا ہے۔ (سورہ النازعات: ۴۱،۴۰)

یہ صرف چند نمونے ہیں جو میں نے قرآن پاک سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ورنہ پورا قرآن تو شفا ہی شفا ہے جسمانی بیماریوں کے لیے بھی اور ذہنی پریشانیوں کے لیے بھی۔

آیئے ہم قرآن سے قریب ہوں تا کہ پریشانیوں سے دور رہ سکیں، تناؤ ہمارے قریب بھی نہ آئے اور ہم سکون سے زندگی بسر کرسکیں، خاص طور سے مشکلات کی ان گھڑیوں میں قرآن کریم ہمارے لیے بہت بڑی نعمت ہے ایک ایسی نعمت جو ہمیں خود اعتمادی اور سکون سے ہمکنار کردے۔

مولانا توحید احمد برکاتی

انوار حدیث

حج وعمرہ کے فضائل

عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺتابعوا بين الحج و العمرة فانهما ينفيان الفقر والذنوب كما ينفى الكيرخبث الحديد والذهب و الفضة، وليس للحجة المبرورة ثواب الاالجنة(رواه الترمذی، حديث ۸۱۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج وعمرہ ملا کر کرو کہ یہ دونوں غریبی اور گناہوں کو ایسے مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو اور حج مقبول کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حل المفردات:

تابعوا، متابعۃ باب مفاعلۃ سے فعل امر حاضر معروف جمع مذکر کا صیغہ ہے، متابعۃ کا معنیٰ ہے ملانا، لگا تار کرنا۔ کہا جاتا ہے: **تابع بين الاعمال** ۔لگا تار کیا، ینفیان یہ فعل مضارع معروف تثنیہ مذکر غائب کا صیغہ ہے، نفی ینفی نفیا سے۔ جس کا معنیٰ ہے ''دور کرنا''۔کہا جاتا ہے'' **نفت الريح التراب** ''ہوا نے مٹی کو اڑا دیا۔ الفقر :مفلسی محتاجی۔اسی سے آتا ہے فقیر بمعنیٰ مفلس محتاج۔، **الذنوب** یہ جمع ہے ذنب کی، جس کا معنی ہوتا ہے ''گناہ''۔ الکیر ،لوہار کی بھٹی، جمع اکیار اور کیرہ ۔الحدید، لوہا اسی سے آتا ہے حداد بمعنیٰ لوہار۔الذھب، سونا اس کی جمع اذہاب وذہوب آتی ہے۔الفضۃ، چاندی اس کی جمع فضاض آتی ہے۔

حالات راوی:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ''عبداللہ'' اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔قبیلۂ ہذیل سے آپ کا خاندانی تعلق ہے۔قدیم الاسلام صحابہ کرام میں آپ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے۔نہایت عابد وزاہد اور عالم و فاضل صحابی ہیں۔آپ کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہے۔حضور ﷺ کے خادم خاص تھے، سفر وحضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، اسی لیے آپ کو ''صاحب النعل والوسادۃ'' کہا جاتا ہے۔مجتہدین صحابہ کی صف اول میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔خلق کثیر نے آپ سے حدیثیں اخذ کی ہیں، عہد فاروقی میں کوفہ کے قاضی اور بیت المال کے خازن تھے۔ابتدائے خلافت عثمانی تک آپ اسی منصب پر فائز رہے، پھر مدینہ شریف واپس آ گئے اور وہیں ۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔وصال کے وقت عمر مبارک ساٹھ برس سے کچھ اوپر تھی۔جنت البقیع آخری آرام گاہ ہے۔(اسد الغابہ: ج ۳،ص ۳۹۴، اکمال فی اسماء الرجال:ص ۶۰۵،مرأت: ج ۱،ص ۲۴۳)۔

شرح حدیث: حضور ﷺ کے ارشاد پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حج بیت اللہ کو جائے وہ حج وعمرہ کو ملا کر ادا کرے، ملا کر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حج قران یا حج تمتع کرے یا بقول امام طیبی شارح مشکوۃ کے حج کے فوراً بعد عمرہ کرے یا عمرہ کے فوراً بعد حج کرے۔تو یہ مبارک عمل مفلسی اور گناہ دونوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے، جس طرح لوہار کی بھٹی زنگ آلود لوہے سے سارا زنگ دور کر کے لوہے کو خالص کر دیتی ہے۔اور جس طرح سونار کی بھٹی سونے اور چاندی سے میل و کچیل کو دور کر کے خالص سونے اور چاندی کو الگ کر دیتی ہے۔

حج وعمرہ مفلسی کو دور کرتے ہیں یا تو حقیقتاً اس طور پر کہ حاجی کو مالدار بنا دیتے ہیں، اگر یہ معنی مراد ہو تو بالکل ظاہر ہے، اس

☆ tauheedahmad92@gmail.com

لیے کہ ہمارے گردو پیش ایسے بہت سے حجاج کرام ہیں جو حج کرنے کے بعد پہلے سے زیادہ مالدار اور خوش حال ہو گئے۔ یا حکماً یعنی اللہ پاک حاجی کے رزق میں برکت عطا فرماتا ہے۔ مالدار کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قناعت کی دولت سے نوازتا ہے۔ لہٰذا وہ اگرچہ فقیروں کی جیسی زندگی گزارتا ہے، مگر حقیقت میں مالداروں کی طرح اپنی زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

گناہوں کو دور کرنے سے مراد ان کو مٹا دینا اور ختم کر دینا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ حج کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ اپنی ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہو۔

خیال رہے کہ گناہ اور فقر دور کرنا اللہ رب العزت کا کام ہے، مگر یہاں اس حدیث پاک میں اسے حج وعمرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں اس کا سبب ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہیں جیسے اللہ پاک کے ارشاد ''وَمَا نَقَمُوا اِلَّا اَنْ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِن فَضْلِهِ'' (توبہ۹، آیت ۷۴) (ترجمہ کنز الایمان: انھیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ یعنی جو حضرات سرکار کے دامن سے وابستہ ہوئے ایمان لا کر، وہ مفلوک الحال تھے اللہ اور اس کے رسول نے انھیں غنی کر دیا اپنے فضل سے، اس میں غنی کرنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف اور اپنے رسول کی طرف کی، اس میں جن لوگوں کو برا لگا وہ منافقین تھے) میں مراد لیا گیا ہے۔

''**ولیس للحجة المبرورة ثواب الا الجنة**'' کی شرح بیان کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ وہ (حج) ہے جو حلال کمائی اور صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے اخلاص کے ساتھ اور مرتے دم تک کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے حج باطل ہو جائے یعنی مقبول کا بدلہ صرف دنیاوی غذا اور گناہوں کی معافی یا دوزخ سے نجات یا تخفیف عذاب نہ ہوگا، بلکہ جنت ضرور ملے گی۔ مزید لکھتے ہیں کہ منذری کی روایت میں ہے کہ جو حج کے لیے اخلاص سے جائے تو اس کی بھی بخشش ہوگی اور اس کی شفاعت بھی قبول ہوگی اور حاجی گھر واپس آنے تک اللہ کی امان میں رہتا ہے۔ حج میں ایک درہم خرچ کرنا دسرے مقامات پر دس لاکھ درہم خرچ کرنے سے افضل ہے۔ (مرأت شرح مشکوٰۃ)

حج کے فضائل احادیث کریمہ میں کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔ سطور ذیل میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے حج کیا اور رفث (فحش کلام) اور فسق نہ کیا تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر ایسے لوٹا جیسے اس دن کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (صحیح بخاری: ج۱، ص۵۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمرہ سے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو درمیان میں ہوئے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔ (صحیح بخاری: ج۱، ص۵۸۶)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حاجی اپنے گھر والوں میں سے چار سو کی شفاعت کرے گا اور گناہوں سے ایسا نکل جائے گا کہ جیسے اس دن کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (صحیح بخاری: ج۱، ص۳۱۴)

حضرت امام طبرانی نے معجم کبیر میں ایک طویل حدیث پاک ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک سائل سے فرمایا کہ جب تو بیت الحرام کے قصد سے گھر سے نکلے گا تو اونٹ کے ہر قدم رکھنے اور ہر قدم اٹھانے پر تیرے لیے حسنہ (نیکی) لکھی جائے گی اور تیری خطا مٹا دی جائے گی۔ اور طواف کے بعد دو رکعتیں ایسی ہیں جیسے اولاد اسمٰعیل میں کوئی غلام ہو اس کے آزاد کرنے کا ثواب۔ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی ستر غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ اور عرفہ کے دن وقوف کرنے کا حال یہ ہے کہ اللہ عزوجل آسمان دنیا کی طرف خاص تجلی فرماتا ہے، اور تمہارے ساتھ ملائکہ پر مباہات فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے: میرے بندے دور دور سے پراگندہ سر میری رحمت کے امیدوار ہو کر حاضر ہوئے، اگر تمہارے گناہ ریت کی گنتی اور بارش کے قطروں اور سمندر کی جھاگ برابر ہوں تو میں سب کو بخش دوں گا۔ میرے بندو! واپس جاؤ تمہاری مغفرت ہوگئی اور اس کی جس کی تم شفاعت کرو۔ (بقیہ صفحہ ۴۰ پر)

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی عقیدہ

اسلام کے بنیادی عقائد (گزشتہ سے پیوستہ، قسط ۳)

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہم السلام:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اپنے پیارے بندوں کو چنا اور اپنا نبی و رسول کیا۔ انہیں خدا کا حکم وحی سے پہنچتا اور وہ بندہ کو پہنچاتے۔ یہ مرتبہ کسی کو کسب و ریاضت سے نہ ملا خدا کی دین تھی جسے چاہا دیا۔ پھر ان میں بعض ایسے ہوئے جن پر اللہ کی کتابیں بھی اتریں وہ رسول کہلائے۔ انبیاء کی گنتی معین کرنا نہ چاہیے یوں کہے کہ ہم خدا کے سب نبیوں پر ایمان لائے۔ پیغمبر سب معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ نے ان کی پاک طبیعتوں اور ستھری طینتوں میں ایسا مادہ رکھا ہے کہ گناہ ان کے پاس ہوکر نہیں نکلتا اور شیطان کا ہرگز ان پر قابو نہیں چلتا اور ان کی عصمت فرشتوں کی عصمت سے بہتر ہے کہ فرشتے تو خدا کی فرماں برداری میں مجبور ہیں، ان میں گناہ کی طاقت ہی نہیں اور انبیاء چاہتے تو گناہ کر سکتے مگر ان کے دل خدا کی یاد میں ایسے ڈوب گئے کہ گناہ کا خیال بھی نہیں گزرتا، انبیاء و ملائکہ کے سوا جہان میں اور کوئی معصوم نہیں نہ صحابہ نہ اہل بیت نہ اولیاء نہ کوئی اگرچہ اللہ کی عنایت بعض بندوں پر رہتی ہے کہ وہ گناہ نہیں کرتے اور شیطان کی طرف سے خوب ہوشیار رہتے ہیں مگر عصمت جس کا نام ہے وہ نوع بشر میں انبیاء ہی کے لیے خاص ہیں وہ سب چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہیں اور شریعت کے پہنچانے میں ان پر بھول چوک بھی روا نہیں۔ وہ سب اللہ کے نہایت محبوب و مقبول بندے ہیں۔ کوئی مخلوق خدا کی یہاں تک کہ مقرب فرشتے بھی ان کے درجے کو نہیں پہنچتے۔ اللہ سے جو نزدیکی اور اس کی بارگاہ میں جو عزت پیغمبروں کو ہے کسی کو نہیں اور جس قدر وہ خدا کو پیارے ہیں کوئی نہیں پھر جو کوئی کسی ولی یا صحابی یا امام کو پیغمبروں سے بہتر بتائے، کافر ہے کسی پیغمبر کی شان میں ادنیٰ گستاخی کفر۔ جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لائے سب حق ہے۔ ہم سب پر ایمان لائے سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام ہوئے جو آدمیوں کے باپ ہیں اور سب سے پچھلے ہمارے نبی محمد ﷺ جو سب انبیاء کے سردار ہیں۔ ہمارے حضور کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔ ان کے بعد نوح و موسیٰ و عیسیٰ کہ پانچوں حضرت اولوالعزم کہلاتے ہیں ان کے سوا ادریس و لوط و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب و یوسف و ہود و ہارون و سلیمٰن و داؤد و ذکریا و یحییٰ و شعیب و الیسع و ذوالکفل و صالح و یونس و الیاس و ایوب علیہم السلام وغیر ہم لاکھ سے کئی ہزار زیادہ پیغمبر ہوئے عورت کوئی پیغمبر نہ ہوئی۔ نہ جنوں میں کوئی نبی ہوا نبوت بعد موت کے چھن نہیں جاتی وہ سب اب بھی نبی ہیں جیسے جب تھے۔ وہ بس ایک آن کو مرتے ہیں پھر ان کی روحیں بدن میں لوٹ آتی ہیں اور جیسے دنیا میں زندہ تھے اس سے بہتر زندگی پاتے ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں زمین پر ان کا بدن کھانا حرام ہے۔ اللہ نے انہیں اختیار دیا ہے کہ قبروں سے نکل کر جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں عالم میں تصرف فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں شہیدوں کو زندہ بتایا اور انہیں مردہ کہنے سے منع فرمایا پھر ان سے اور پیغمبروں سے کیا نسبت، پیغمبروں کی زندگی ان سے بھی بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو کنواری عورت ستھری بتول مریم کے پیٹ سے بن باپ کے پیدا کیا۔ وہ اور نبیوں کی طرح اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اللہ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا نہ وہ قتل ہوئے نہ سولی دی گئی قیامت کے قریب اتریں گے اور ہمارے نبی کی امت میں داخل ہو کر ان کے دین کو رواج دیں گے اللہ کی بے شمار درودیں اس کے سب پیغمبروں پر۔ **(جاری)**

سید شاہ غلام محی الدین فقیر عالم قادری برکاتی آل احمدی رحمۃ اللہ علیہ

فقہی مسائل

غسل کے بقیہ مسائل (گزشتہ سے پیوستہ قسط ٦)

(۲٦) پانی کو مطلق رکھا اور خود رفع نجاست حکمیہ اور اقامت قربت ہائے مذکور سے واضح کہ پانی سے مطلق پانی مراد ہے تو شوربے یا دودھ کی لسی یا نبیذ تمر سے اگر وضو کرے وہ مستعمل نہ ہوں گے کہ ان سے وضو ہی نہ ہوا تو مستعمل کیا ہوں۔

(۲۷) خود نفس جنس یعنی پانی نے دودھ، سرکہ، گلاب، کیوڑہ وغیرہ کو خارج کر دیا کہ ان سے وضو کرے تو مستعمل نہ ہوں گے، اگر چہ بے وضو ہو، اگر چہ جنب ہو اگر چہ نیت قربت کرے کہ پانی کے سوا کوئی چیز نجاست حکمیہ کو دور نہیں کر سکتی (نجاست حکمیہ وہ معنوی نجاست ہے جو ان چیزوں کے سبب، اعضائے وضو یا تمام بدن پر پیدا ہوتی ہے جن سے وضو یا غسل کرنا لازم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے اس سارے حصۂ بدن پر کوئی ظاہری نجاست نہیں لگ جاتی مگر شرع مطہر نے اس سارے جسم کو پاک کرنے کا حکم دیا، اس لیے اسے نجاست حکمیہ کہتے ہیں)۔

فائدہ:

اگر کہیے کہ ۲٦ اور ۲۷ کا کیا فائدہ ہے کہ مستعمل ہونے سے ہمارے نزدیک شے نجس نہیں ہو جاتی صرف نجاست حکمیہ دور کرنے کے قابل نہیں رہتی، یہ قابلیت ان اشیا میں پہلے بھی نہ تھی تو ان کو مستعمل نہ ماننے کا کیا فائدہ ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہی فائدہ بہت تھا کہ مستعمل نہ ہونے سے ان کی پاکی متفق علیہ رہے گی کہ مستعمل کی پاکی میں ہمارے علما کا اختلاف ہے، اگر چہ صحیح یہ ہے کہ مستعمل پاک ہے۔ دوسرے مستعمل اگر چہ پاک ہے مگر قذر ہے مسجد میں اس کا ڈالنا ناجائز ہے ان اشیا کو مستعمل نہ بنانے سے یہ فائدہ ہوا کہ مثلاً جس گلاب سے کسی نے وضو کیا اسے مسجد میں چھڑک سکتے ہیں کہ وہ مستعمل نہ ہوا، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ مستعمل کا پینا مکروہ ہے، جب یہ مستعمل نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان کے پینے میں کوئی کراہت نہیں۔

فائدہ:

مستعمل میں راجح اور صحیح یہی ہے کہ وہ پاک ہے، اگر چہ نجاست حکمیہ کے دور کرنے کی قابلیت اس میں نہیں ہے، اسی طرح صحیح یہ ہے کہ پانی بہ مجرد اس کے کہ عضو سے علاحدہ ہو مستعمل ہو جائے گا اگر چہ ابھی روانی میں ہو۔

مسئلہ:

جیسے وضو میں ضروری ہے کہ اعضائے وضو میں سے ایک ذرہ بھی پانی کے بہہ کر گزر جانے سے باقی نہ رہ جائے، ان اعضا سے جن کا دھلنا فرض ہے، اسی طرح تیمّم میں بھی فرض ہے کہ کوئی پرزہ کوئی ذرہ منہ کا پیشانی کے شروع سے جہاں بال اگنے کی جگہ ختم ہوتی ہے، وہاں سے لے کر ٹھوڑی کی اس ہڈی تک جہاں نیچے کے دانت جمتے ہیں لمبائی میں، اور کان کی دونوں کنپٹیوں تک چوڑائی میں مسح سے باقی نہ رہے، آنکھ کے پپوٹے اور کان اور گالوں کی درمیانی جگہ کا خاص لحاظ ضروری ہے اسی طرح دونوں ہاتھ ناخنوں کی سر سے لے کر کہنیوں تک مسح سے ایک ذرہ بھر نہ چھوٹنے پائے اور کم سے کم تین انگلیوں سے مسح کرے اگر کم سے کیا تو جائز نہ ہوگا۔ اگر کوئی انگوٹھی یا چھلہ یا چوڑی وغیرہ ہاتھوں میں پہنے ہو تو ان کو ہٹا کر بدن پر مسح کرنا ضروری ہے۔

یہاں تک جو بیان ہوا شروط امامت کا تھا اور بوجہ اس کے کہ امام کی صحت نماز پر تمام مقتدیوں کی صحت نماز موقوف ہے، اس خصوصیت خاصہ کے سبب ان کو شروط امام کہا گیا۔ ان شروط سے صرف جواز ہوگا رہ گئی کراہت سو وہ باوجود ان شروط کے بھی بعض صورتوں میں پائی جا سکتی ہے جن کا بیان آگے آتا ہے۔

صحت اقتداء کے لیے شرطیں:

اقتدا کی صحت کے لیے دس شرطیں ہیں اول مقتدی کا امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی نیت کرنا۔ شرط نیت کی یہ ہے کہ شروع میں جو تکبیر کہی جاتی ہے یعنی تکبیر تحریمہ اس سے ملی ہوئی ہو یا اگر **پہلے** ہو تو درمیان میں نیت اور تکبیر کے کوئی اجنبی فاصلہ نہ ہوا ہو **دوسرے** امام اور مقتدی کا مکان ایک ہونا **تیسرے** یہ کہ امام اور مقتدی کے فرض نماز ایک ہی ہو دونوں کی آج کی ظہر یا دونوں کی کل کی عصر **چوتھی** امام کی نماز فی نفسہ بھی صحیح ہو اور اس مقتدی کے نزدیک بھی صحیح ہو **پانچویں** یہ کہ مقتدی کی ایڑیاں امام کی ایڑیوں سے آگے نہ ہوں۔ **چھٹی** یہ کہ مقتدی کو امام کے انتقالات رکوع سجدہ وغیرہ میں جانا معلوم ہوں، خواہ سننے سے یا دیکھنے سے، **ساتویں** یہ کہ مشارکت امام سے سجدہ، رکوع وغیرہ میں ہو یعنی اس کا ہر فعل امام کے ساتھ یا امام کے بعد ہو۔ **آٹھویں** یہ کہ مقتدی امام سے رکوع سجدہ وغیرہ ادا کرنے میں برابر ہو یا اس سے کم ہو۔ پہلی کی مثال اقتدا راکع اور ساجد کی راکع اور ساجد کے پیچھے اور دوسرے کی مثال اقتداء اشارہ سے رکوع سجدہ کرنے والے کی اس کے پیچھے جو پورا رکوع سجدہ کرتا ہو اسی طرح اور جملہ شرائط میں مقتدی امام کے برابر ہو یا اس سے کم۔ پہلی کی مثال اقتدا اس شخص کی جس میں جملہ شرائط موجود ہوں اپنے سے دوسرے کے پیچھے اور ننگے کی ننگے کے پیچھے اور دوسرے کی مثال ننگے کی اقتدا کپڑے پہنے ہوئے کے پیچھے **نویں** یہ کہ امام کی سفر یا غیر سفر کی حالت نماز پڑھنے سے پہلے یا بعد معلوم ہو یہ جب ہے کہ امام شہر یا گاؤں میں چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھے۔ **دسویں** یہ کہ عورت امام یا مقتدی کے برابر نہ کھڑی ہو کہ عورت کا مرد کے برابر کھڑا ہونا مرد کی نماز کا مفسد ہے، جس کی چند شرطیں ہیں۔

اول یہ کہ عورت برابر کھڑی ہو تو اس وقت اس کا پاؤں اس مرد کے کسی عضو سے مقابل ہو اگر چہ آدھا ہی پاؤں عورت کا ہو اور وہ مرد کے کسی عضو سے برابر ہو جائے اور اگر پاؤں پیچھے ہو مرد کے ہر عضو سے اور رکوع سجدہ کرتے وقت عورت کا سر مرد کے کسی عضو کے مقابل ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر عورت مرد کے آگے کھڑی ہو تو اس وقت میں محاذات تب نماز فاسد کرے گی جب وہ مرد بالکل اس کے پیچھے کھڑا ہو، داہنی طرف یا بائیں طرف بقدر ایک آدمی کے جگہ چھوڑ کر نہ کھڑا ہو، اگر ایسا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ **دوسرے** یہ نو برس خواہ زیادہ عمر رکھتی ہو اگر چہ ابھی بالغہ نہ ہوئی ہو یا بہت بوڑھی ہوگئی ہو **تیسرے** یہ کہ اس مرد اور اس عورت کے درمیان میں کوئی آڑ نہ ہو مثل کھمبا وغیرہ کے یا ایک آدمی کے کھڑے ہونے بھر کی جگہ خالی نہ ہو ان دونوں کے درمیان میں۔ یہ اس وقت جب کہ یہ دونوں ایک ہی صف میں ایک دوسرے کے داہنے بائیں کھڑے ہوں اور اگر عورت آگے اور مرد پیچھے ہو تو اس وقت اگر چہ درمیان میں دونوں کے ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ ہو بھی، مگر جب بالکل ایک دوسرے کی سیدھ میں کھڑے ہوں گے یا ایک آدھ بالشت سیدھ سے ہٹ کر بھی کھڑے ہوں گے جب بھی نماز فاسد ہوگی۔ **چوتھے** یہ کہ محاذات کسی رکوع سجدہ والی نماز میں ہو۔ **پانچویں** یہ کہ وہ نماز ان مرد عورت دونوں میں مشترک ہو۔ تحریمہ اس طرح سے کہ یہ دونوں باہم ایک دوسرے کے امام ہوں یا کوئی تیسرا ان کا امام ہو۔ **چھٹے** یہ کہ یہ نماز دونوں میں مشترک ہو اداء اور اس کی بھی یہ ہی صورت ہے کہ یہ دونوں باہم ایک دوسرے کے امام ہوں یا ایک تیسرا ان کا امام ہو اور ان دونوں قیدوں کا علاحدہ فائدہ بعض صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے جو بڑی کتابوں میں لکھی ہیں **ساتویں** یہ کہ یہ دونوں ایک ہی طرف اور ایک ہی جہت میں کھڑے ہوں اگر مثلاً کعبہ معظّمہ کے اندر نماز پڑھیں اور ایک کا منہ مشرق کو دوسرے کا مغرب کو ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی اگر چہ دونوں برابر کھڑے ہوں۔

الحاصل جب یہ سات شرطیں پائی جائیں تو اس صورت میں اگر امام نے نماز شروع کرتے وقت عورتوں کی امامت کی نیت کی تھی تو صرف اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی جس کے محاذات عورت سے ہے اگر یہ مرد عاقل بالغ ہے، ورنہ اگر امام نے شروع میں نیت نہیں کی تھی تو اس عورت کی نماز صرف فاسد ہو جائے گی اگر عورت مرد کے نماز شروع کرنے کے بعد آئی اور اس نے پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ عورت کو کیا اور وہ نہیں ہٹی تو عورت کی صرف نماز فاسد ہوگی اور اگر مرد نے اشارہ نہیں کیا تو خود مرد کی نماز جاتی رہے گی۔ **(جاری)**

خطبہ

خطبۂ حجۃ الوداع

''اے لوگو! کان کھول کر سن لو۔ تمہارا پروردگار ایک ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ تمہارا باپ ایک ہے، کان کھول کر سن لو۔ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو فضیلت ہے عربی پر۔ نہ کالے رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر اور نہ سرخ رنگت والے کو کالی رنگت والے پر بجز تقویٰ کے''۔

اللہ کی جناب میں تم میں سے وہی زیادہ معزز اور محترم ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ کان کھول کر سن لو! کیا میں نے اللہ کے پیغامات تم تک پہنچا دیے؟

سب نے کہا، اللہ کے رسول نے اپنے رب کے سارے پیغامات پہنچا دیے ہیں۔ حضورﷺ نے فرمایا جو یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ بسا اوقات جس کو بعد میں یہ پیغام پہنچایا جائے گا وہ آج سننے والوں سے زیادہ عقل مند ہوگا۔

پھر فرمایا، یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ خاموش رہے۔ حضورﷺ نے فرمایا، یہ شہر حرام ہے۔ یہ کون سا شہر ہے؟ سب چپ رہے۔ فرمایا یہ حرمت والا شہر ہے۔ پھر فرمایا، یہ کون سا دن ہے؟ لوگ خاموش رہے۔ خود ہی فرمایا۔ یہ حرمت والا دن ہے۔

ان ارشادات کے بعد پھر فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے خونوں کو، تمہارے اموال کو، تمہاری آبروؤں کو، ایک دوسرے پر حرام کر دیا ہے جس طرح یہ مہینہ اس تمہارے شہر میں اور اس مبارک دن میں بڑی عزت و حرمت والا ہے، اور یہ حرمت اس روز تک برقرار رہے گی جب قیامت کے روز تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے۔ لوگو! بتاؤ، کیا میں نے اللہ کے احکام تمہیں پہنچا دیے ہیں؟

سب نے کہا، بیشک۔

حضور کی زبان سے نکلا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا پھر فرمایا، اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔

خبردار! کیا میں نے تم کو اللہ کے پیغام پہنچا دیئے ہیں؟

سب لوگوں نے کہا، بیشک۔

حضور نے فرمایا، اے اللہ گواہ رہنا۔

خبردار! جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہے وہ اس امانت کو امانت رکھنے والے کو پہنچا دے۔

کان کھول کر سن لو! تمہارے سود کالعدم کر رہا ہوں تمام قتل معاف کیے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلا قتل جو میں معاف کرتا ہوں وہ میرے چچا حارث کے بیٹے ربیعہ کا خون ہے، وہ بنی سعد میں شیر خوار بچہ تھا۔ ہذیل نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟

سب نے کہا، بیشک۔

حضورﷺ نے فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہنا۔

پس جو حاضر ہیں ان پر واجب ہے کہ جو یہاں موجود نہیں ان تک میرے یہ پیغامات پہنچا دیں کان کھول کر سن لو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

پھر فرمایا، میری یہ بات اچھی طرح سن لو۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ کسی مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر حلال نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔

پھر فرمایا۔ اے لوگو! (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا اضافہ کرنا ہے کفر میں۔ گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال تا کہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے۔ کان کھول کر سن لو! کہ زمانہ لوٹ کر اس دن پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔

پھر یہ آیت پڑھی: کہ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے یہ چار حرام (حرمت والے) ہیں۔ یہی درست دین ہے۔ پس نہ ظلم کرو تم ان میں اپنے نفسوں پر۔ یہ تین مہینے مسلسل ہیں، ذوالعقدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا رجب ہے جس کو شہر مضر کہا جاتا ہے۔ جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ اور مہینے کبھی انتیس دن ہوتے ہیں اور کبھی تیس دن۔

خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟

سب لوگوں نے کہا، بیشک۔

حضورﷺ نے فرمایا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔ پھر فرمایا، اے لوگو! عورتوں کے تم پر حقوق ہیں اور تمہارے حقوق ان پر۔

تمہارے حقوق ان پر یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستر کو روندنے کی کسی کو اجازت نہ دیں اور جن کو تم ناپسند کرتے ہو انہیں تمہارے گھروں میں داخل نہ ہونے دیں بجز تمہاری اجازت کے۔ اور اگر ایسا کریں تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا اذن دیا ہے کہ تم ان کے بستروں کو اپنے سے الگ کر دو اور یہ کہ انہیں زدوکوب کرو جو زیادہ شدید نہ ہوں۔ پس اگر وہ باز آ جائیں اور تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو ان کے خورد و نوش اور لباس، معروف طریقہ سے پیش کرنا تم پر لازم ہے۔ بیشک عورتیں تمہارے زیر دست ہیں وہ اپنے لیے کسی چیز کی مالک نہیں۔ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ سے بطور امانت لیا ہے اور اللہ کے کلام سے تم نے ان کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ پس عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور ان کے بارے میں ایک دوسرے کو بھلائی کی وصیت کرو۔

خبردار! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟ سب نے کہا، بیشک۔

حضورﷺ نے فرمایا، اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔

اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری اس زمین میں اس کی پوجا کی جائے گی لیکن وہ اس بات پر راضی ہو گیا ہے کہ تم چھوٹے چھوٹے گناہوں کا ارتکاب کرو۔ بیشک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ بیشک سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی مسلمان کے لیے اپنے بھائی کا خون اور مال حلال نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہیں ''لا الہ الا اللہ''۔ جب وہ یہ کہیں گے تو اپنے خون اور اموال کو ہم سے محفوظ کر لیں گے۔ بجز ان کے حق کے۔ اور ان کے اعمال کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ میرے بعد پھر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے رہو۔

میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو راہ راست سے نہیں بھٹکو گے۔

وہ ہے اللہ کی کتاب۔

اے لوگو! میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا؟

سب نے کہا، بیشک، حضور نے عرض کی اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا۔ (ضیاء النبی ج:۴، ص:۷۶۹۔۷۷۴)

مولانا واحد نور جامعی

مضامین

خطبۂ حجۃ الوداع اور حقوق انسانی کے عالمی منشور کا تقابلی جائزہ

اہل مغرب کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ ہر اچھی چیز کا سہرا اپنے سر لینا چاہتے ہیں کہ دنیا کو ہر نعمت ان کے ذریعے ہی ملی ہے، ان سے پہلے دنیا میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا۔ انسانی حقوق کے حوالے سے بھی یہی تصور عام کیا جا رہا ہے کہ اہل مغرب نے ہی انسانی حقوق کی بات سب سے پہلے کی، جب کہ اس دعوے کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ دعوی بالکل باطل ہو جاتا ہے۔

اہل مغرب کے ہاں حقوق انسانی کا تصور بارہویں صدی عیسوی میں پہلی بار سامنے آیا جب برطانیہ نے میگنا کارٹا (MEGNA CARTA) کے ذریعے چند حقوق کی بات کی، گویا میگنا کارٹا سے ان کے ہاں انسانی حقوق کی ابتدا ہوتی ہے جس میں اگر چہ صرف چند امرا و سلاطین کے ہی حقوق کی بات کہی گئی تھی، عام آدمیوں کے حقوق کا اس میں کوئی ذکر نہیں ملتا اور اس کی انتہا اقوام متحدہ کے حقوق انسانی منشور (Charter) کے ذریعے ۱۰/ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔

دوسری جانب اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے حقوق انسانی کی وہ مثال پیش فرمائی جس کا تصور بھی اس دور جاہلیت میں نہیں کیا جا سکتا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات طیبہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی میں صرف کر دی اور اور انسانیت کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس دلایا اور بالآخر دس ہجری کو خطبۂ حجۃ الوداع کی صورت میں حقوق انسانی کا ایک عالمی اور ابدی منشور قیامت تک کے لیے دنیائے انسانیت کے سامنے پیش فرما دیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی کی تعلیمات کا خلاصہ خطبۂ حجۃ الوداع کے شکل میں لوگوں کو عطا فرمایا۔

اس مقالے میں اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے عالمی منشور اور خطبۂ حجۃ الوداع کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے، اس کے مطالعے سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ حقوق انسانی کے عالمی منشور کی دفعات اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہیں جن کو کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں ان میں سے اکثر دفعات کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے یہ حقوق اس وقت انسانوں کو عطا فرمائے جب عہد حاضر کی نام نہاد ترقی یافتہ قومیں تہذیب و تمدن سے کوسوں دور تھیں اور خود کو حقوق انسانی کی علمبردار کہنے والی مغربی دنیا انسانی حقوق تو در کنار انسانیت کے نام سے بھی ناواقف تھی۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے یورپ کا نامور دانشور رابرٹ بریفالٹ (Robert Brifalt,1876-1948) لکھتا ہے:

''پانچویں صدی عیسوی کے آغاز سے دسویں صدی عیسوی کے اختتام تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اس دور کی وحشت و بربریت زمانۂ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی گنا زیادہ بڑھ چکی تھی۔''

(Robert Briffault, The Making of Humanity, London,p:164)۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور میں انسانوں کو انسانیت نوازی کا عملی درس دیا، انھیں حقوق و فرائض سے آگاہ کیا، انسانی حقوق کے منشور اعظم (خطبۂ حجۃ الوداع) کو مدنی معاشرے

☆ ریسرچ اسکالر-البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ (یو. پی)

میں نافذ العمل بنا کر اسلامی دستور حیات کا لازمی عنصر اور جز ولاینفک قرار دیا۔ یہ ایک ایسا منشور اور چارٹر ہے جسے بلا تفریقِ رنگ و نسل اور قوم و ملت رہتی دنیا تک دائمی دستور العمل کا درجہ حاصل رہے گا اور جس سے خوشہ چینی کر کے اقوام عالم اور خاص کر اہل مغرب نے اپنے منشور تیار کیے اور کرتے رہیں گے اگر چہ وہ اس حقیقت کا اعتراف نہ کریں۔ چنانچہ رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

''یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو، اور اس کی ایسی یادگاریں نہ ہوں جنھوں نے زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔'' (Robert Briffault, The Making of Humanity,London, P:190)

خطبۂ حجۃ الوداع اور اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے متعلق مزید جاننے سے قبل انسانی حقوق کے متعلق کچھ بنیادی اصطلاحات ذکر کر دینا بہتر ہے۔

حق کی تعریف:

حق کا لفظ اہل لغت کے نزدیک باطل کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور اس کی جمع حقوق آتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و لا تلبسوا الحق بالباطل، (البقرۃ:۴۲) یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔

شریعت کی اصطلاح میں عموماً حق کی تعریف مضاف الیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے، چنانچہ بعض حقوق عمومی ہوتے ہیں۔ جیسے تعلیم کا حق اور انصاف پر مبنی فیصلے کا حق وغیرہ اور بعض حقوق انفرادی نوعیت کے ہوتے ہیں جنھیں خاص حقوق کہا جاتا ہے۔ جیسے زوجین کے ایک دوسرے پر حقوق، والدین کے اولاد پر اور اولاد کے والدین پر حقوق وغیرہ۔

دور حاضر کے مغربی مفکرین نے مختلف معانی کے لحاظ سے حقوق کی تقسیم کی ہے۔ جیسے: سیاسی حقوق، معاشی حقوق، معاشرتی حقوق اور ثقافتی حقوق وغیرہ۔ (حقوق الانسان الثقافیۃ بین الشریعۃ الاسلامیۃ والمواثیق الدولیۃ، داود حلس، ص:٦)

حقوق انسانی کی تعریف:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی (ولادت:۱۹۳۲ء/وفات:۲۰۱۵ء) لکھتے ہیں:

انسانی حقوق سے مراد کسی بھی شخص کی مصلحت کی حفاظت ہوتی ہے۔ جیسے امن و امان کی فراہمی، جرائم کی روک تھام، دشمن کی سرکوبی، صحت، اولاد اور مال کی حفاظت وغیرہ۔ یا وہ کوئی مصلحت خاصہ ہوتی ہے۔ جیسے بیوی کا شوہر پر نان ونفقہ کا حق، ماں کے لیے بچے کا حقِ حضانت (پرورش کی ذمہ داری)، باپ کے لیے بیٹوں پر ولایت کا حق، مالک کا اپنی ملکیت میں حق، بائع کا ثمن میں حق، مشتری کا مبیع میں حق، آدمی کا اپنے تلف شدہ مال کے بدل کا حق اور مال مغصوب کو لوٹانے کا حق وغیرہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی، ج:۴، ص:۲۸۴۵)۔

ان تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانی حقوق سے مراد وہ بنیادی نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر نچھاور کی ہیں تا کہ وہ بحیثیت انسان عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکیں۔

خطبۂ حجۃ الوداع ایک تعارف:

ماہ ذی الحجہ سن ۱۰ ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری حج کے موقع پر ایک لاکھ تیں ہزار صحابۂ کرام کے ساتھ میدان عرفات کے قریب مقام نمرہ پر پہنچے اور خیمہ زن ہوئے پھر جب دھوپ ڈھل گئی تو اونٹنی طلب فرمائی اور پھر اس پر سوار ہو کر آپ میدان عرفات میں تشریف لائے اور وہاں آپ نے خطبہ دیا جسے خطبۂ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

اس خطبے میں آپ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو مستحکم فرمایا اور روایات جاہلیت کی مشرکانہ رسوم کے خاتمے کا اعلان ہی نہیں فرمایا بلکہ عملی طور پر ان کو ختم کر کے دکھایا۔ ان تمام محرمات (حرام چیزوں) کی توثیق فرمائی جو تمام ادیان میں حرام تھیں۔ یعنی دوسروں کا خون، جان، مال، عزت و آبرو، اسی طرح عورتوں اور غلاموں کے

حقوق اوران کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی۔

خطبۂ حجۃ الوداع کو اگر دفعات کی شکل میں دیکھا جائے تو کم سے کم چالیس دفعات نکلتی ہیں، اس میں تمام تر دفعات مثبت اقدامات پر مبنی اور تعمیری افکار پر مشتمل ہیں۔ یہ خطبہ تمام دنیائے انسانیت کی صلاح و فلاح کا ضامن اور حقوق و فرائض کا ابدی اور تاریخی منشور حیات ہے۔اس کی بدولت حقوق و فرائض کا عالمی اور ہمہ گیر انقلاب رونما ہوا جس نے عرب وعجم کی دنیائے انسانیت کو حیات و بقا کا راستہ دکھا کر تمام انسانوں کی دنیا میں انقلاب عظیم برپا کر دیا۔اس سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ حقوق انسانی کے آغاز وارتقا اور اس کے عملی نفاذ کا سہرا محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہے، جنھوں نے ساتویں صدی کے اوائل ۶۳۲ء میں حقوق انسانی کا تصور پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اسے نافذ العمل بنا کر بھی دکھایا جب کہ انسانی دنیا میں حقوق وفرائض کا صحیح تصور تک نہ تھا۔

مغرب میں انسانی حقوق کے آغاز وارتقا پر ایک نظر:

مغرب میں بنیادی انسانی حقوق کا حقیقی آغاز گیارہویں صدی عیسوی کو برطانیہ میں ہوا، جہاں ۱۰۳۷ء میں شاہ کونارڈ ثانی (Conard 2nd) نے ایک منشور جاری کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کیے۔

۱۱۷۸ء میں الفانسو نہم (Alfanso 9th) سے جس بے جا کا اصول تسلیم کرایا گیا۔

۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو میگنا کارٹا جاری ہوا جس کو منشور آزادی قرار دیا گیا، میگنا کارٹا سے انسانی آزادی کا تصور بہت بعد میں اخذ کیا گیا ہے، اس وقت اس کی حیثیت اُمرا اور شاہ جان (King John) کے درمیان ایک معاہدہ کی تھی جس میں سلاطین کے مفاد کے علاوہ امرا کی حیثیت کی تعیین تھی، عوام اور عام انسانوں کے حقوق سے قطعاً اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

۱۳۵۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں ''قانون چارہ جوئی'' کا بل منظور ہوا۔

۱۶۸۴ء میں انقلابی فوج نے پارلیمنٹ میں اقتدار اعلیٰ کے حدود متعین کیے۔

۱۲/جون ۱۷۷۶ء کو امریکی ریاست ورجینیا (Verginia) سے جارج میسن (George Meson) کا تحریر کردہ منشور حقوق جاری ہوا جس میں صحافت کی آزادی اور عدالتی چارہ جوئی کے حقوق کی ضمانت دی گئی۔

۱۵۹۲ء میں تھامس پین (Thomus Paine) نے اپنا مشہور کتابچہ ''حقوق انسانی'' (The Rights of Man) شائع کیا۔

دوسری جنگ آزادی کے بعد تحریری دستوروں میں بنیادی انسانی حقوق کی شمولیت مزید نمایاں ہوئی، فرانس نے ۱۹۴۶ء کے دستور میں ۱۷۸۹ء کے منشور انسانی حقوق کو شامل کیا۔ اسی سال جاپان نے بنیادی انسانی حقوق کو دستور کا حصہ بنایا، ۱۹۴۷ء میں اٹلی نے اپنے دستور میں انسانی حقوق کی ضمانت دی۔

مغرب میں اسی طرح کی کوششوں کے بعد بالآخر ۱۰ دسمبر، ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کا منشور انسانی حقوق (The Universal Declaration of Human Rights) جاری ہوا، جس میں وہ تمام حقوق سمو دیے گئے جو مختلف یورپی ممالک کے دستوروں میں شامل تھے یا انسانی ذہن میں آسکتے تھے۔(ملخص از: بنیادی حقوق، ص:۲۷ تا ۲۹، بحوالہ: حقوق انسانی کا عالمی منشور، ص:۵ تا ۹)

اس منشور کو انسانی حقوق کے سلسلے میں ایک بڑا انقلابی قدم سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسانی حقوق کا بہت ہی صاف اور واضح مقصد اس میں موجود ہے اور یہ انسانوں کو ظلم وزیادتی سے بچانے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ یہ عالمی منشور ایک ابتدائیہ (Preamble) اور ۳۰ دفعات (Articles) پر مشتمل ہے۔

اس منشور میں تین باتوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے:

(۱) مساوات (۲) فردی آزادی (۳) عدل وانصاف

قانون کے ماہرین کے نزدیک یہ اس اعلامیہ کی بنیادی

خصوصیات ہیں اگر یہ تینوں چیزیں انسان کو مل جائیں تو اس کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔

(بنیادی انسانی حقوق کا اسلام اور اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی روشنی میں تقابلی جائزہ، ص:۱۳۹)

اقوام متحدہ کے منشور کی خامیاں:

یہ بات پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے کہ اس منشور کی اکثر دفعات اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہیں اور دوسری بات یہ کہ اس منشور میں بہت سی خامیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے آج بھی مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکا اور محض کاغذ کی زینت بنا ہوا ہے۔ ان خامیوں میں سے چند یہ ہیں:

(۱) یہ ایک ایسا منشور ہے جس کے پیچھے کوئی قوتِ نافذہ کارفرما نہیں ہے۔ اگر کوئی ملک خاص طور پر طاقتور ملک اس کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس کا پابند بنانے کے لیے کوئی ٹھوس اور مؤثر تدبیر بیان نہیں کی گئی ہے۔ اس کی مثال آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ہر بڑا ملک اپنی طاقت کے نشے میں پوری دیدہ دلیری کے ساتھ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ جس کی زندہ مثال آپ فلسطین، شام، یمن، برما اور دیگر ممالک میں دیکھ سکتے ہیں۔

(۲) اس میں فکری اور مذہبی آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے مگر اس آزادی سے صحیح معنوں میں حدود متعین نہیں کیے گئے ہیں اور نہ مرد و عورت کی فطرت کا خیال رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مذہبی آزادی کا تصور یہ ہے کہ آدمی اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر لے اور اس کی رسومات بجا لائے تو یہ ناکافی ہے، اسی طرح بعض نجی اور خاندانی معاملات میں آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے شادی کر سکتا ہے مگر شادی کی کیا صورت ہوگی، شادی کے بعد اگر زوجین میں اتفاقِ رائے قائم نہ رہ سکے تو کیا ہوگا۔ اسی طرح بعض دیگر معاملات میں بھی کچھ اصول تو متعین ہیں مگر اس کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی ہے جب کہ اسلام پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی کرتا ہے اور ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

(۳) تیسری خامی یہ ہے کہ مغرب میں کلیسا اور اس کے زیر اثر برسر اقتدار طبقہ نے انسان کی آزادیِ فکر و عمل اور اس کے حقوق کے سلسلے میں انتہائی غلط رویہ اختیار کیا تھا جس کا صحیح مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے ردعمل میں حقوق انسانی کا موجودہ تصور ابھرا، اس میں مذہب کے حقیقی رول کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا، اللہ کے جو پیغمبر دنیا کے مختلف گوشوں اور زمانوں میں آئے، ان کی کیا تعلیمات تھیں، ان کو جب اقتدار ملا تو ان کا کیا رویہ تھا اور انسانیت کس طرح فلاح سے ہم کنار ہوئی۔ یہ چیزیں کہیں زیر بحث نہیں آتیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پہلے سے طے کر لیا گیا ہو کہ مذہب سے ہٹ کر یا مذہب کو نظر انداز کر کے گفتگو کی جائے گی۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ معروضی اور غیر جانب دارانہ مطالعہ ہے، صاف بات یہ ہے کہ یہ جانب دارانہ مطالعہ ہے جس میں پہلے سے طے کر لیا گیا تھا کہ مذہب کو زیر بحث نہیں لایا جائے گا اور اس طرح اس کے حقیقی رول کو نظر انداز کر دیا گیا۔ (ایضاً۔ ص:۱۴۰)۔

اجمالاً تقابلی جائزہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ خطبۂ حجۃ الوداع ایک مثالی انسانی زندگی کے لیے ایک بہترین ہدایت ہے، اس کو بجا طور پر حقوق انسانی کا سب سے بہتر منشور کہا جا سکتا ہے۔ یہ حقوق انسانی اور اخلاقی اقدار کا اعلامیہ اور عورتوں کے حقوق کا منشور اعظم تھا۔ آج تک انسانی دنیا اس سے بہتر تو درکنار اس کے جیسے اخلاقی اصول لانے سے قاصر ہے جو خطبۂ حجۃ الوداع میں پیش کیے گئے۔ یہ خطبہ جس طرح مسلمانوں کے لیے اہمیت کا حامل ہے اسی طرح غیر مسلموں کے لیے بھی غیر معمولی ہے کیوں کہ یہ تمام انسانیت سے خطاب تھا۔ حقوق انسانی کے حوالے سے یہ تاریخ کا سب سے اہم دستاویز ہے۔ اس کے چند انسانی حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) زندگی کا حق (۲) مساوات کا حق (۳) ملکیت کا حق (۴) انصاف کا حق (۵) حقِ وراثت (۶) معاشرتی شناخت کا حق (۷) جائداد کا حق (۸) تعلیم کا حق (۹) مذہب کا حق (۱۰)

معاشرتی حفاظت کا حق (۱۱)اقتصادی حقوق (۱۲) ریاست کے حقوق (۱۳) غلاموں اور مزدوروں کے حقوق (۱۴) بچوں کے حقوق (۱۵) عورتوں کے حقوق (۱۶) شوہر کے حقوق وغیرہ۔

اسلامی نقطۂ نظر سے خطبۂ حجۃ الوداع انسانی حقوق کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔اسی طرح مغربی نقطۂ نظر سے حقوق انسانی کا عالمی منشور (۱۹۴۸) سب سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ گویا اپنے اپنے اعتبار سے دونوں اہم ہیں۔تاہم جب ہم ان کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع ہر اعتبار سے انسانی حقوق کے عالمی منشور پر فوقیت رکھتا ہے۔

یہاں چند نکات کی جانب اشارہ کیا جا رہا ہے:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبہ دس ہجری مطابق ۶۳۲ عیسوی میں دیا جب کہ مغربی دنیا میں حقوق انسانی کا سب سے قدیم اور اہم دستاویز میگنا کارٹا ہے جو ۱۲۱۵ عیسوی میں منظور ہوا اور آخری اہم دستاویز اقوام متحدہ کا عالمی منشور ہے جس کو ۱۹۴۸ء میں منظور کیا گیا۔لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع زیادہ قدیم ہے اور اس میں انسانی حقوق کی بات صدیوں پہلے کی جا چکی تھی۔

(۲) خطبۂ حجۃ الوداع میں تمام حقوق (شہری، سیاسی، سماجی، ثقافتی، اقتصادی، حقوق خواتین وحقوق اطفال وغیرہ) ایک ساتھ بیان کر دیئے گئے تھے جبکہ عالمی منشور میں یہ حقوق مختلف کنونشنز (مجالس) میں منظور کیے گئے۔ چنانچہ شہری اور سیاسی حقوق کے لیے (International Convention on Civil and Political Rights1996) سماجی اور ثقافتی حقوق کے لیے (International Convent on Economic,Social and Cultural Rights 1966) عورتوں کے حقوق کے لیے (Convention on All forms of Discrimination Against Women 1979) اور بچوں کے حقوق کے لیے (Covention on The Rights of the Child 1989) جیسے مختلف بل پاس ہوئے۔

(۳) خطبۂ حجۃ الوداع میں جو حقوق بیان کیے گئے ہیں، ان کی پابندی اخلاقی اور قانونی طور پر اسلامی ریاستوں پر لازم ہے جب کہ عالمی منشور کے قوانین کی پابندی اقوام متحدہ کے ارکان پر قانونی طور پر لازم نہیں ہے۔

(۴) تمام اسلامی ریاستیں ان حقوق کے نفاذ کی پابند ہیں اور تمام مسلمان انفرادی طور پر بھی اس کے متعلق اللہ کو جواب دہ ہیں اگر وہ ان میں سے کسی حق کی خلاف ورزی کریں۔ جب کہ اقوام متحدہ کا کوئی بھی رکن عالمی منشور کے قوانین وحقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں اقوام متحدہ کو جواب دہ نہیں، کیونکہ وہ اس کا پابند نہیں ہے اور اس کے لیے اس کو نافذ کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

(۵) اسلامی انسانی حقوق زیادہ محفوظ ہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذریعے عطا ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اعلان کیا ہے، لہٰذا یہ ہمارے حقوق کے ضامن ہیں جب کہ عالمی منشور کی حفاظت کا کوئی ضامن نہیں ہے۔

(۶) اسلامی انسانی حقوق کا تصور حقوق اور ذمہ داری کے اصول پر مبنی ہے جس میں حقوق اور ذمہ داریاں دونوں برابر ہیں، فرائض سے عہدہ برآ ہوئے بغیر حقوق سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ ایک آدمی کا حق دوسرے آدمی کی ذمہ داری ہے جب کہ عالمی منشور کی دفعات میں حقوق زیادہ ہیں اور فرائض کی کمی ہے۔

اسلامی انسانی حقوق آفاقی اور دائمی ہیں جب کہ عالمی منشور کے حقوق بہت محنت کے بعد لوگوں کے ذریعے وجود میں آئے اور یہ حقوق لوگوں کی درخواست پر ختم بھی ہو سکتے ہیں۔

(Comparative Islamic human Rights and Westen Human Rights. chapter.6, p:274-279)

عالمی منشور نامکمل:

یہ عالمی منشور جسے دنیا کا سب سے بہترین منشور تصور کیا جاتا ہے۔ یہ معنویت، نفاذ اور دائرۂ عمل کے لحاظ سے آج بھی تشنہ اور نامکمل ہے جس کا احساس خود مغربی مفکرین کو ہے، چنانچہ ہینز کیلسن

(Hans Kelsen,1881-1973) کا یہ تبصرہ ملاحظہ ہو:

''خالص قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور کی دفعات کسی بھی ملک پر انھیں تسلیم کرنے اور منشور کے مسودہ یا اس کے اعلامیہ میں صراحت کردہ انسانی حقوق اور آزادیوں کو تحفظ دینے کی پابندی عائد نہیں کرتیں۔ منشور کی زبان میں کسی ایسی تعبیر کی گنجائش نہیں ہے جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ رکن ممالک اپنے شہریوں کو انسانی حقوق اور آزادیاں دینے کے قانونی طور پر پابند ہیں''۔ (حقوق انسانی کا اسلامی منشور۔ ص:۱۶، ۱۷)

ایک دوسرے مبصر نے یوں تبصرہ کیا:

''منشورِ انسانی حقوق کی حیثیت ایک خوشنما دستاویز سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس میں حقوق کی ایک فہرست مرتب کردی گئی لیکن ان میں کوئی ایک حق بھی اپنے پیچھے کوئی قوت نافذہ نہیں رکھتا''۔ (بنیادی حقوق، ص:۸، بحوالہ: حقوق انسانی کا اسلامی منشور، ص:۱۸)

ان تبصروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر انسان کی اجتماعی کوششیں بھی اس کے لیے پر وقار اور آرزومندانہ زندگی کی ضمانت مہیا نہ کرسکیں۔

اسلامی منشور جامع اور مکمل:

اس کے بالمقابل حقوق انسانی کا اسلامی منشور ہر لحاظ سے مکمل اور کامیاب منشور ہے جس کی پشت پر سب سے بڑی قوتِ نافذہ موجود ہے، جو خلوت وجلوت ہر جگہ انسان کی نگرانی کرتی ہے۔ اسلام میں انسان کو جو فطری حقوق دیے ہیں، وہ ہر لحاظ سے حاوی اور بامعنی ہیں، اس میں انسانی نفسیات، رجحانات اور ضروریات کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی کسی دفعہ پر جانبداری یا بے اعتدالی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اسلام نے بحیثیت انسان پوری انسانی برادری کے ساتھ یکساں معاملہ کیا ہے، ایمان وکفر کے معاملے میں اس کے یہاں کچھ ترجیحات ہیں جو بالکل فطری اور معقول ہیں، اس لیے کہ دنیا کی ہر عدالتِ انصاف یہ فیصلہ دے گی کہ دستور اور اتھارٹی سے وفاداری کرنے والے اور اس کو نہ ماننے والے ایک سطح پر نہیں رکھے جا سکتے جس کی نظیر مختلف ملکوں اور قانون کے دستور میں مل جائیں گی۔ مگر اس کے باوجود کسی بھی انسان کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم نہیں کیا گیا اور نہ کسی پر ظلم وزیادتی کو جائز ٹھہرایا ہے۔ اس کی مثالیں اسلامی تعلیمات میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

چند دفعات کا تقابلی جائزہ:

اب ہم ذیل میں اقوام متحدہ کے عالمی منشور اور خطبۂ حجۃ الوداع میں ذکر کردہ انسانی حقوق کی دفعات کا جائزہ لیتے ہیں، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں انسانوں کو بحیثیت انسان جو حقوق اور تحفظات عطا فرمائے ہیں، ان میں اقلیت واکثریت یا سیاسی غالبیت اور مغلوبیت کا کوئی فرق نہیں ہے، وہ انسان ہونے کے ناطے ہر ایک کے لیے مساوی ہیں، جبکہ عالمی منشور کہنے کو تو مساوات کا منشور ہے مگر یہ باتیں صرف کاغذ کی حد تک تو ٹھیک ہیں ورنہ زمینی حقیقت اس سے مختلف ہے۔ بہت سی دفعات میں رنگ ونسل اور قومیت و وطنیت کا فرق دکھائی دیتا ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ مغربی قومیں جس منزل پر کسی حد تک آج طویل تاریخی سفر کے بعد پہنچی ہیں، اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی اس سے بہتر اور مضبوط انداز میں اس کی نشاندہی کردی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ امر بھی عیاں ہو جائے گا کہ اس منشور کی تمام 'مُناسب' اور 'فطری' دفعات اسلامی تعلیمات سے ہی ماخوذ ہیں جب کہ اسلام میں متعدد دفعات ایسی بھی ہیں جو عالمی منشور میں نہیں پائی جاتی ہیں۔

مساوات کا حق:

انسان ہونے کے ناطے تمام لوگ برابر ہیں۔ مساوات کا یہ تصور سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے درمیان پھیلی ہوئی مختلف نسلی، لسانی، قومی اور دیگر تمام سماجی تفریقات کو ختم کر کے پوری انسانی برادری کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ قبیلہ اور برادری کو محض تعارف و پہچان کا ذریعہ قرار دیا، اس کو کسی تفاخر وتفاضل کا سبب ماننے سے انکار کر دیا۔ قرآن میں بھی اس کی

صراحت موجود ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی صراحت فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

''تمھارا رب ایک ہے، تمھارے باپ ایک ہیں، سب کے سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے۔ پھر آپ نے آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

ترجمہ: ''ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ بڑا علم والا اور باخبر ہے'' (سورہ حجرات: ۱۳)

کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی برتری ہے سوائے تقوی کے۔'' (مسند احمد، ۵/۴۱۱)

اسی طرح آپ نے ان کے باطل نظریات کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اے قریش کی جماعت ! بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت اور نسب کے غرور وتکبر کو دور کر دیا ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام، ۲/۴۱۲)

اور یہ صرف قول کی حد تک ہی نہیں تھا بلکہ مساوات کی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن کو سن کر اسلام کی حقانیت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ جس کی ایک واضح مثال حضرت اُسامہ کی ایک معزز عورت کے متعلق چوری کی سزا معاف کرنے کی سفارش کا واقعہ ہے، جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' (بخاری، ۸/۱۶۰، حدیث نمبر: ۶۷۸۷)

یعنی قانون کے نفاذ میں بھی کسی رشتے دار یا اجنبی اور کسی شریف یا کم تر کا کوئی امتیاز نہیں برتا گیا۔

عالمی منشور میں بھی اس بنیادی حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ دفعہ نمبر ایک، دفعہ نمبر دو اور دفعہ نمبر سات میں اس کا ذکر ہے۔

دفعہ نمبر (۱): ''تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ اس لیے انھیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہئے۔''

دفعہ نمبر (۲): ''ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں، اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی کیفیت، دائرۂ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی دوسری بندش کا پابند ہو۔''

دفعہ نمبر (۷): ''قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حقدار ہیں۔ اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا جس تفریق کے لیے ترغیب دی جائے، اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حقدار ہیں''۔

ان دفعات میں پہلا نقص تو یہ ہے کہ پورے منشور میں مساوات کے ساتھ کوئی ترجیحی بنیاد ذکر نہیں کی گئی ہے جب کہ فطری طور پر ہر سماج میں کوئی نہ کوئی ترجیحی بنیاد ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے انسانی منشور میں مساوات کے ساتھ احتیاطی طور پر تقوی کی ترجیحی بنیاد موجود ہے۔ (حقوق انسانی کا اسلامی منشور، ص: ۲۴)

ہم بھی مانتے ہیں کہ پیدائشی اعتبار سے تمام انسان برابر عزت وتکریم کے مستحق ہیں مگر پیدائش سے لے کر موت تک سب برابر نہیں ہیں، کیونکہ قرآن میں جس طرح بنی آدم کی تکریم کا ذکر ہے۔ (ولقد کرمنا بنی وحملنٰھم فی البر والبحر و رزقنٰھم

مــن الــطيبــات و فــضّــلــنٰهــم عــلــى كثير مــمــن خــلــق تفضيلا(سورة:بنی اسرائیل، آیت: ۷۰) یعنی اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی وتری میں ان کو سوار کیا اور اچھی چیزوں سے ان کو رزق دیا اور بہت سی مخلوق پر ان کو فضیلت دی) اسی طرح اس کو جانوروں سے بدتر بھی کہا گیا ہے(اولئك كالانعام بل هم اضل (الاعراف،آیت: ۱۷۹) یعنی وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں) اور یہ بات بھی ہر آدمی تسلیم کرتا ہے کہ ایک نیک اور ایک گناہ گار تکریم میں برابر نہیں ہوسکتے۔اس لیے تقوی کو ترجیحی بنیاد قرار دیا گیا۔لہٰذا مجرم اور بے قصور تکریم میں برابر نہیں ہیں۔ ہمارے یہاں مجرم'قتل کا ہو یا زنا کا' یا کسی معاشرتی جرم کا' وہ بے گناہ شخص کی طرح تکریم کا مستحق نہیں ہے۔ جب کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بے گناہ شخص کی طرح ہی تکریم کا مستحق ہے۔چنانچہ **دفعہ نمبر۵**''کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ انسانیت سوز سزا نہیں دی جائے گی'' کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ مجرم کو ایسی سزا نہیں دی جائے گی جس سے اس کی تذلیل ہوتی ہے جب کہ ہمارا کہنا ہے کہ اگر مجرم اور غیر مجرم تکریم میں برابر ہوں گے تو جرم کو کنٹرول کرنا ممکن نہ ہوگا بلکہ ایسی سزائیں ضروری ہیں جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہوں تا کہ جرائم کا سد باب ہو سکے۔(اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں، ابوعمار زاہدالراشدی۔ص:۶۰)

اس کا دوسرا نقص یہ ہے کہ دفعہ نمبر سات کے مطابق قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔اسی طرح **دفعہ نمبر۸**''ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے مؤثر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔'' کے مطابق قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔مگر یہ دفعہ بھی صرف کاغذ کی زینت ہے۔ کیوں کہ آج بھی برطانیہ میں کوئین آف ویلز اور شاہی خاندان(Royal Faimilies) کے خلاف برطانیہ کی کسی بھی عدالت میں کوئی مقدمہ دائر نہیں کیا جاسکتا۔اسی طرح برطانیہ اور امریکہ نے برسوں سے ہزاروں بے گناہ افراد کو سیاسی قیدی بنا کر''گوانتانا موبے'' اور''ابوغریب'' جیل میں قید کر رکھا ہے اور ان پر ظلم و بربریت کی ساری حدیں پار کردی ہیں مگر ان میں سے کسی بھی فرد کو اپنے اوپر ہوئے ظلم کے خلاف کسی بھی عدالت میں صفائی کا موقع نہیں دیا گیا۔(مصطفیٰ جان رحمت کا عالمی منشور (مقالہ: خوشتر نورانی) کتاب: رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ ص:۵۶۳)

جب کہ اسلامی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں ایک حاکم وقت کے خلاف بھی ایک عام آدمی قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر سکتا ہے، جس کی مثالیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا حق:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

''اے لوگو !تمہارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں تم پر حرام ہیں جس طرح یہ دن ، یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ (بخاری،۲/ ۱۱۷،حدیث نمبر:۱۷۴۲)

جان و مال،عزت و آبرو اور اولاد کے تحفظ کے حق کے اس اعلان کی اہمیت کا اندازہ عرب معاشرے کی اس مزاجی کیفیت سے ہوتا ہے جس سے کسی کی بھی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی، بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، جہاں طاقت ہی قانون کی حیثیت رکھتی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فردِ معاشرہ کو جان کے تحفظ کا حق، مال کے تحفظ کا حق،عزت نفس کے تحفظ کا حق اور خاندان کے تحفظ کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر بھی پورے انسانی معاشرے کے حقوق کے عملی تحفظ اور نفاذ کی یقینی اور حتمی ضمانت فراہم کی اور استحصالی معاشرہ میں انسانیت کو انسانی حقوق و فرائض کی ابدی تعلیمات سے روشناس کرایا۔(اسلام میں انسانی حقوق،ڈاکٹر طاہر القادری،ص:۲۰۲)

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ مثالی معاشرہ سے قبل عہد جاہلیت میں عرب قبائل کی کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی، معمولی سی اشتعال انگیزی سے جنگ شروع ہوتی اور نسل درنسل جاری رہتی

جس کی وجہ سے انسان دشمن وحشیانہ جنگوں میں سینکڑوں گھرانے برباد ہو چکے تھے، سفا کی اور درندگی اور انسانیت کے خلاف جرائم کا ارتکاب ان کے موروثی اخلاق بن چکے تھے۔(سیرت النبی، شبلی نعمانی ج:۴، ص:۱۱۵، بحوالہ: محسن انسانیت اور انسانی حقوق، ص:۲۰۹)۔

مذکورہ صورت حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منشور انسانیت نے لوگوں کو مذکورہ تحفظات عطا فرمائے۔ یہ تحفظات صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں تھے بلکہ غیر مسلم اہل ذمہ بھی نبی رحمت کے اس اعلان کے فیض سے مستفیض ہوئے۔

اقوام متحدہ کے عالمی منشور میں بھی جان کے تحفظ کی دفعات شامل کی گئی ہیں۔ دفعہ نمبر۳، اور دفعہ نمبر۲۵ کی شق دوم اس سے متعلق ہیں۔

دفعہ نمبر(۳): ''ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے''۔

دفعہ نمبر(۲۵): ''زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حقدار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفّظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے''۔

عالمی منشور نے ان حقوق کی بات صدیاں گزر جانے کے بعد کی جب کہ اسلام نے بہت پہلے ان حقوق کو معاشرے میں نافذ بھی کر دیا تھا۔

عورتوں کے حقوق:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا:

''اے لوگو! تمھاری بیویوں کا تمہارے ذمہ حق ہے اور تمھارا ان پر حق ہے اور وہ تمھارے پاس مقیم ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے کسی چیز پر قادر نہیں۔ بلاشبہ تم نے ان کو اللہ کی امان کے طور پر حاصل کیا ہے اور انھیں اپنے اوپر اللہ کے کلمات کے ساتھ حلال کیا ہے۔ لہٰذا عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو''۔(سیرت ابن ہشام، ج:۲، ص:۶۰۴، بحوالہ: اسلام میں انسانی حقوق، ص:۶۱۴)

آپ نے عورتوں کے حقوق کا یہ تاریخی اعلان اس معاشرے میں کیا، جہاں عورتوں کو خاندانی، معاشی، سماجی، آئینی یا کسی بھی صورت میں کوئی حق حاصل نہ تھا۔ اسلام کی آمد سے قبل عورت کے مقام و مرتبہ کا تصور بھی محال تھا، اسے نہایت حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، عورت کو عہد جاہلیت میں صرف جذباتِ نفسانی اور خواہشاتِ ذات کی تکمیل کا سامان سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح بیٹی کی پیدائش ذلت و عار کا باعث سمجھی جاتی تھی۔(ایضاً، ص:۶۱۷)

اسلام سے قبل عرب میں بیٹیوں پر بیٹوں کو ترجیح دی جاتی تھی، بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، ان کو وراثت میں کوئی حصہ بھی نہیں ملتا تھا۔ اس زمانے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق کی آواز اٹھائی اور معاشرے میں ان کو بلند مقام عطا کیا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی۔

عالمی منشور میں یوں تو صراحت کے ساتھ کسی دفعہ میں تنہا عورتوں کے حقوق کا ذکر نہیں ہے، ہاں عورتوں کو مردوں کے برابر قرار دے کر ان کے حقوق کی بات ہوئی ہے۔

دفعہ نمبر ۱۶ میں ان کے حقوق کی بات ہوئی ہے۔

دفعہ نمبر ۱۶، شق (۱): ''بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت یا مذہب کی بنیاد پر لگائی جائے شادی بیاہ اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں''۔

شق (۲): ''نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہوگا''۔

مذکورہ دفعہ ہمیں پورے طور پر قبول نہیں ہے؛ کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ پہلی بات یہ کہ نکاح میں مذہب کا اعتبار ہمارے نزدیک ضروری ہے اور یہ ٹھیک بھی ہے۔ کیوں کہ اختلاف مذہب کی صورت میں میاں بیوی کا ایک ساتھ رہنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ ایسی صورت میں دونوں اپنے اپنے مذہب کے اعتبار سے زندگی گزاریں گے، جس میں یقینی طور پر اختلاف ہوگا جو آخر میں شادی کو توڑنے کا سبب بنے گا۔

دوسری بات یہ کہ قدرت نے مردوں کو کچھ چیزوں کا ذمہ دار بنایا اور کچھ چیزوں کا عورتوں کو دونوں کی عادتیں فطری طور پر مختلف ہیں۔ اسلام طلاق کا اختیار حقیقت میں مرد کو دیتا ہے کیونکہ مرد کے اندر قوت برداشت اور فیصلہ لینے کی طاقت عورت کے مقابلے زیادہ بہتر ہوتی ہے جب کہ عورت فطرۃً مزاج کی نازک اور غصے کی تیز ہوتی ہے، اب اگر یہ حق عورت کو بھی دے دیا جائے تو خاندان کا پورا انظام ہی درہم برہم ہو جائے گا، عورت بات بات پر شوہر کو دھمکی دے گی کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو، ورنہ میں تم کو چھوڑ دوں گی۔ جو کسی بھی صورت میں دونوں کے لیے درست نہیں ہے۔

اسی طرح دوسرے شق سے بھی کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں نابالغ کی شادی کو درست نہیں مانا جا رہا ہے کیونکہ ابھی وہ اپنی مرضی کی مالک نہیں ہے تاہم یہ کسی حد تک درست ہوسکتا ہے جب بلوغت کے بعد اسے نکاح کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

غلاموں کے حقوق:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں غلاموں کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''تمھارے غلام، تمھارے غلام، ان سے اچھا سلوک کرو، انھیں وہی کچھ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور انھیں ویسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔ اگر وہ ایسی غلطی کر بیٹھے جسے تم معاف نہیں کرنا چاہتے، تو اللہ تعالی کے بندو! انھیں فروخت کر دو اور انھیں سزا مت دو۔'' (مسند احمد، ۲۶/۳۳۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر انسانی تاریخ کے سب سے زیادہ مظلوم طبقہ 'غلام' کے حقوق کو تحفظ عطا فرمایا حتی کہ آپ کے آخری دور اور وصال کے آخری لمحات میں بھی آپ کی تمام تر توجہ کا مرکز غلام ہی تھے۔ (مدارج النبوۃ، ۲/۴۳۲، بحوالہ: ضیاء النبی، ۴/۸۱۳)

آپ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں تاکیداً فرمایا: ''تمھارے غلام''، ''تمھارے غلام'' اور وصال کے آخری لمحات میں نماز اور غلام کے کلمات زبان نبوی سے ادا ہوئے جس سے انسانیت کے محسن اعظم کی نظر میں غلام اور ان کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کی تعلیمات کا اثر آپ کے عہد مقدس اور اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں دیکھا جاسکتا ہے۔

یہاں اس بات کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ غلامی کوئی عرب معاشرے کی پیداوار نہیں تھی؛ بلکہ یہ دنیا کے کونے کونے میں موجود تھی۔ یونان، روم، ہندوستان غرض کہ پوری دنیا میں غلامی رائج تھی۔ خود یورپ میں انیسویں صدی کے وسط تک غلامی رائج تھی، صرف جنگی قیدیوں کو ہی نہیں بلکہ نیم متمدن افراد کو بھی غلام بنالیا جاتا تھا۔ غلاموں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ غلاموں کے قتل کی کوئی سزا بھی نہ تھی۔

یونان کے مفکرین نے انسان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک پیدائشی آزاد دوسری پیدائشی غلام۔ دوسری قسم کے لوگ پہلی قسم کی خدمات کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ (اسلام میں انسانی حقوق، ص: ۶۲۰)

ارسطو جیسے مفکر نے بھی غلامی کا رواج سوسائٹی کے لیے ضروری قرار دیا تھا۔ الغرض اسلام سے قبل غلاموں سے کیا جانے والا سلوک جانوروں سے برا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس طبقے کی آواز کو بلند کیا اور اس کی عزت وتکریم کی بات پوری زندگی کرتے رہے۔ ان کی آزادی پر نیکیوں کی بشارت دیتے اور ان کو آزاد کرانے پر لوگوں کو ابھارتے اور خطبۂ حجۃ الوداع میں بھی ان کے حقوق کو فراموش نہیں فرمایا بلکہ ان کے متعلق تاکید کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔

عالمی منشور کے قانون میں غلاموں کے متعلق دفعہ نمبر چار ہے۔

دفعہ نمبر (۴): ''کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جاسکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو ممنوع قرار دی جائے گی''۔

مذکورہ دفعہ کو لے کر اسلام اور خاص کر اسلامی ممالک پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اب جب کہ غلام بنانا قانوناً جرم ہے تو مدارس کے نصاب میں آج بھی غلاموں کے مسائل کیوں پڑھائے جاتے

ہیں۔اسی طرح قرآن وحدیث میں جہاں غلاموں اور باندیوں کا ذکر ہے،ان حصوں کو قرآن وحدیث سے نکال دینا چاہیے۔

مگر یہ لوگ اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جس جگہ غلاموں کو انسان ماننے سے بھی انکار کیا جا رہا تھا،اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انسانی حقوق عطا فرمائے اور ان سے اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی۔حد یہ کہ آپ نے غلاموں کو غلام کہنے سے بھی منع فرما دیا اور فرمایا کہ تم ان کو ’’اے میرے بچے کہہ کر بلایا کرو‘‘۔اسی طرح ان کی آزادی کی مختلف صورتیں نکالیں۔

دوسری بات یہ کہ اس وقت غلامی کو سرے سے ختم کرنا ممکن ہی نہیں تھا کیونکہ یہ پوری دنیا میں رائج تھی۔اب اگر مسلمان مفتوحہ قوم کے قیدیوں کو غلام نہ بناتے اور دوسری قومیں مسلمانوں کو غلام بناتی رہتیں تو یہ تو عقل کے بھی خلاف تھا۔اس لیے کم سے کم قیدیوں کے تبادلے کے لیے یہ ضروری امر تھا تاکہ مسلمان قیدیوں کو ان سے چھڑایا جا سکے۔

ایک قابلِ غور بات یہ کہ آج مغرب جس کے یہاں انیسویں صدی تک غلامی کا رواج رہا ہے، جہاں غلاموں کی منڈیاں لگا کرتی تھیں، وہ غلاموں کے حقوق کی بات کر رہا ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ لوگوں کو کسی بھی صورت میں غلام نہ بنایا جائے حالانکہ آج مغرب خود پوری دنیا کو اپنا ذہنی غلام بنانا چاہتا ہے، پوری دنیا کے لوگوں کے ذہنوں کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا ہے اور اقتصادی اعتبار سے وہ پوری دنیا پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔

قانونی مساوات اور حصول انصاف کا حق:

کوئی بھی معاشرہ قانون کی حکمرانی کے بغیر ظلم وستم اور جبر و استبداد کی گرفت سے آزادی حاصل نہیں کر سکتا اور قانون کی حکمرانی عدل وانصاف کے قیام کے بغیر روبہ عمل نہیں ہو سکتی۔خطبۂ حجۃ الوداع میں ہر قانونی عمل کو عدل وانصاف سے طے کرنے کی تلقین فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو قانونی انصاف اور مساوات کا حق دے دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’اور قتل عمد (جان بوجھ کر قتل کرنے) پر قصاص ہے اور شبہ عمد جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے اس میں سو اونٹ کی دیت ہے۔پس جس نے اس میں زیادتی (قصاص و دیت میں عدم مساوات) کی،وہ اہل جاہلیت میں سے ہے‘‘۔(اسلام میں انسانی حقوق،ص:۶۲۵)

انسانی جان کے تحفظ اور قصاص و دیت میں مساوات کے اصول پر مبنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی اہمیت کا اندازہ اس وقت کے عرب معاشرے کے قصاص اور دیت کے متعلق صورت حال کو دیکھنے کے بعد ہوتا ہے جہاں انسانیت کو ادنیٰ واعلیٰ اور شریف و کمتر کے غیر انسانی طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا؛ چنانچہ قصاص کے بارے میں ان کا نظریہ تھا کہ معزز وشریف اور قوم کے بلند مرتبہ کے حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی نچلے طبقے کا فرد ہوتا تو قاتل کے قبیلے کا ہم رتبہ مقتول شخص قصاص میں قتل کیا جاتا،ان کا نظریہ تھا:’’ان دم القتيل الشريف لا يغسل الا بدم شريف مثله‘‘۔(المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام،۸/۱۳۳)۔

بے شک شریف اور معزز آدمی کا خون اسی کے ہم رتبہ شریف آدمی کے خون سے دھویا جا سکتا ہے۔

قصاص کی طرح دیت میں بھی عدم مساوات تھی۔شریف اور بلند آدمی کی دیت ایک ہزار اونٹ ہوتی اور اس سے کم رتبہ کی اسی اعتبار سے کم ہوتی جاتی۔اس عدم مساوات کو بھی آپ نے ختم کیا۔اسی طرح ایک کے جرم کے بدلے دوسرے کو قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا،اس سے آپ نے روک دیا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’آگاہ رہو! کوئی جرم نہیں کرتا مگر وہ اس کی اپنی ذات پر ہے۔خبردار کوئی مجرم جرم نہیں کرتا جس کی ذمہ داری بیٹے پر ہو اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے جس کی ذمہ داری اس کے باپ پر ہو‘‘۔(سنن ابن ماجہ،۲/۱۱۵،حدیث نمبر:۳۰۵۵)

یعنی کسی ایک کے اعمال کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی اور یہی تقاضائے انصاف ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو بلاتفریق مذہب وملت اور بلاتفریق حاکم ومحکوم عدالتی تحفظ اور حصول انصاف کے مساوی حقوق فراہم کیے ہیں۔

عالمی منشور کی دفعہ سات بھی اس سے متعلق ہے جس پر تفصیلی گفتگو ما قبل میں ہو چکی ہے۔

ملکیت کے تحفظ کا حق:

خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکیت کے تحفظ کے حق کے متعلق ارشاد فرمایا:

''جس کے پاس کسی کی امانت ہو اسے چاہیے کہ امانت ادا کردے، قرض ادا کیا جائے، عاریۃً لی ہوئی چیز واپس کی جائے اور دودھ کے لیے ہدیہ لی ہوئی اونٹنی دودھ سے استفادہ کے بعد واپس کی جائے اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے''۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۲، ص:۶۰۳، بحوالہ: محسن انسانیت اور انسانی حقوق ص:۲۲۱)

مذکورہ بالا فرمان کے ذریعے انسانوں کے مال و جائداد، ملکیت کے تحفظ کی یقینی، غیر مشروط ضمانت کی فراہمی کے ساتھ انسانی حقوق کے اہم رکن 'حق ملکیت' کا اعلان کیا گیا جسے انسانی حقوق میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

امانت، قرض اور عاریت کی واضح تعلیمات دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق ملکیت کی اہمیت و وضاحت، اس کے تحفظ کی ضمانت اور واپسی کو یقینی بنانے کے لیے مزید ارشاد فرمایا' ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے'۔

عالمی منشور کی دفعہ نمبر ۱۷ میں اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔

دفعہ نمبر ۱۷، شق (۱): ''ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے''۔

شق (۲): ''کسی شخص کو اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا''۔

انسانیت کے منشور اعظم ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کے تحفظ اور اسے نافذ العمل بنانے کا اعلان عام:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے باز پرس ہوگی اور تم سے بھی، تو جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام اس تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ شخص جسے میرا پیغام پہنچایا جائے وہ بات کو سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔ سنو! میں نے اللہ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟ تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو''۔ (الواقدی، کتاب المغازی، ج:۳، ص:۱۰۲، بحوالہ: محسن انسانیت اور انسانی حقوق، ص:۱۷۴)۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع کے اس تاریخی اعلان پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے تحفظ، اجرا اور عملاً نافذ العمل بنانے کے لیے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے خطبہ کے آغاز میں ہی حمدیہ کلمات کے بعد فرمایا:

"اسمعوا قولی، تعیشوا، یعنی میری بات سنو، تمھیں زندگی ملے گی''۔

پھر دوران خطبہ بھی اس کی اہمیت، تحفظ اور اسے دائمی نافذ العمل بنانے کے لیے آپ فرماتے رہے:

''آگاہ رہو! میں نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچا دیا؟ اے اللہ! گواہ رہنا''۔

ایک جگہ فرمایا: ''بلاشبہ تم عنقریب اپنے رب سے جا ملو گے پھر وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا۔''

یہ تلقینات اور اس کی اہمیت کے اظہار کے لیے اس قسم کے تاکیدی کلمات کسی اور منشور انسانیت میں نہیں ملتے ہیں۔ (محسن انسانیت اور انسانی حقوق، ص:۴۷۲)۔

جب کہ عالمی منشور کے پیچھے کوئی بھی قوت نافذہ نہیں ہے۔ جس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

خلاصہ:

مغربی دنیا جو آج اپنے آپ کو انسانیت کا ترجمان، تہذیب و تمدن کی دعویدار اور انسانی حقوق کا علمبردار قرار دیتی ہے، ان کے یہاں انسانی حقوق کی تحریک کا تاریخی آغاز اور ارتقا گیارہویں صدی عیسوی ۱۰۳۷ء تا بیسویں صدی عیسوی ۱۹۴۸ء کی مدت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب کہ انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو انسانی حقوق کا عملی تصور اور نافذ العمل بنانے کا نظریہ چھٹی صدی کے اواخر ۵۷۶ء تا ساتویں صدی عیسوی کے

اوائل 632ء میں عطا فرمایا اور صرف اسی اعلان پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس تاریخی دور میں جو مغربی دنیا کی تاریکی، جہالت، تہذیب وتمدن سے ناواقفیت اور علم وعمل سے دوری کے باعث تاریخ میں قرون وسطی، قرون مظلمہ، دور جاہلیت اور دور تاریکی کے تاریخی ناموں سے مشہور ہے، اس میں انسانی حقوق کو نافذ العمل بنا کر دکھایا۔

مغربی دنیا کے اس دور تاریکی میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے انسانیت کو انسانیت نوازی اور انسان دوستی کا عملی درس دیا، انھیں ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض سے آگاہ فرمایا، حقوق وفرائض کے عملی نفاذ پر مبنی ایک تاریخ ساز، مثالی، دائمی اور ابدی انسانی حقوق 'خطبۂ حجۃ الوداع' کی شکل میں عطا فرما کر ایک تاریخ ساز انسانی فلاحی اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی، جس کے نقوش تابندہ کی بدولت اس دور ظلمت کی تاریخی اور غیر مہذب مغربی دنیا بالآخر تہذیب وتمدن کی دولت اور انسانیت اور انسانی حقوق سے متعارف ہو کر تاریخی دور میں داخل ہوئی۔

مغربی دنیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ انسانی حقوق کے صدیوں کے فرق اور زمانی بُعد کو سامنے رکھ کر بلا خوف وتردید اس تاریخی اور نا قابل انکار حقیقت کا اعتراف کرنا بجا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہی کی بدولت انسانیت کو پہلی مرتبہ تاریخ میں حقوق وفرائض پر حقیقت کا آئینہ دار ایسا جامع، ابدی، مثالی، حقوق انسانی کا منشور اعظم (خطبۂ حجۃ الوداع) عطا ہوا جس پر انسانیت جتنا فخر کرے کم ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے یہ ایک نمونۂ عمل کی حیثیت رکھے گا۔

کتابیات

(بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، م:۲۵۶، مطبع: دار طوق النجاۃ، س:۱۴۲۲ھ)

(سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، م:۲۷۳ھ، مطبع: داراحیاء الکتب العربیۃ)

(مسند احمد، محمد بن احمد بن حنبل، م:۲۴۱ھ، مطبع: مؤسسۃ الرسالۃ، س:۲۰۰۱ء)

(سیرت ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، م:۲۱۳، مطبع: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ بمصر، س:۱۹۵۵ء)

(حقوق الانسان الثقافیۃ بین الشریعۃ الاسلامیۃ والمواثیق الدولیۃ، داود حلس)

(الفقہ الاسلامی وادلتہ، ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی، م:۲۰۱۵، مطبع: دار الفکر، دمشق)

(المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ڈاکٹر جواد علی، م:۱۴۰۸ھ، مطبع: دار الساقی، س:۲۰۰۱ء)

(ضیاء النبی، پیر کرم شاہ ازہری، م:۱۴۱۸ھ، مطبع: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، س:۱۴۲۰ھ)

(اسلام میں انسانی حقوق، ڈاکٹر طاہر القادری، مطبع: منہاج القرآن، لاہور، س:۲۰۰۴ء)

(محسن انسانیت اور انسانی حقوق، ڈاکٹر محمد ثانی، مطبع: دار الاشاعت، کراچی، س:۱۹۹۹ء)

(حقوق انسانی کا اسلامی منشور، اختر امام عادل، مطبع: مجلس تحقیق وتصنیف جامعہ ربانی، سمستی پور، بہار، س:۲۰۰۴ء)

(بنیادی انسانی حقوق کا اسلام اور اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی روشنی میں تقابلی جائزہ، پروفیسر دوست محمد خان وعبدالرحمان، مطبع: الایضاح، س:۲۰۱۵ء)

(اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں، ابوعمار زاہد الراشدی، مطبع: الشریعہ اکادمی، س:۲۰۱۱ء)

(مصطفیٰ جانے رحمت کا عالمی منشور (مقالہ: خوشتر نورانی) کتاب: رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ، مطبع: البرکات اسلامک ریسرچ سینٹر، علی گڑھ، س:۲۰۱۵ء)

(Robert Briffault(1876-1948), The Making of Humanity, London)

(Comparative Islamic human Rights and Westen Human Rights. chapter.6)

مفتی عبد المصطفیٰ مصباحی

مضامین

مکہ میں بعثت اور مدینہ کی طرف ہجرت - اسباب و نتائج

انسان اپنی زندگی کے لیے جتنا بڑا ہدف اور مقصد متعین کرتا ہے اور اپنے کندھے پر جتنی بڑی ذمہ داری اٹھاتا ہے، اسی کے مطابق محنت و مشقت بھی کرتا ہے۔ اپنا مقصد پانے کے لیے بے انتہا وقت لگاتا ہے، بے دریغ مال و دولت خرچ کرتا ہے اور کبھی کبھی تو مقصد کے حصول میں اپنی جان تک کی قربانی بھی دے دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی مسلم ہے کہ جب انسان کسی بڑے کام کے لیے اپنا قدم آگے بڑھاتا ہے، اس کی خاطر جد و جہد کرتا ہے تو ایک طرف جہاں اچھے دوستوں کی تعداد گھٹ جاتی ہے، دشمنوں کی فہرست بڑھنے لگتی ہے، مذاق اڑانے والے لوگ زیادہ ہو جاتے ہیں، ہر طرف سے اس کے خلاف سازشیں ہونے لگتی ہیں اور ہر اعتبار سے راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، وہیں دوسری طرف ایسے نازک اور صبر آزما ماحول میں سہارا دینے والے اور کام میں ساتھ دینے والے ایسے لوگ کم ہی ملتے ہیں، جو مخلص بھی ہوں اور ہر طریقے کی مدد کے لیے تیار بھی، جو ہر مشکل موڑ پر ڈھال بن کر کھڑے ہو جائیں اور مسلسل اس کی حوصلہ افزئی کرتے رہیں۔ بعینہ یہی صورت حال نبی پاک ﷺ کو پیش آئی جب آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو دین حق کی طرف بلانا شروع کیا۔

نبی پاک کی بعثت کا دور:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کو اس دور میں مبعوث فرمایا جب انسانیت سسک رہی تھی۔ پوری دنیا میں کفر و شرک کی تاریک گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف ظلم و جبر کا بادل سایہ فگن تھا۔ آسمانی کتاب رکھنے والی جماعتیں جو اس تاریک دور میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتی تھیں، انھوں نے مال و زر کی لالچ، خواہشات نفسانی کی پیروی اور دنیاوی جاہ و جلال کی خاطر اللہ تعالیٰ کی مقدس کتابوں میں تحریف اور رد و بدل کرنا شروع کر دیا تھا، جن کی وجہ سے ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو لوگوں کو انسانیت کی تعلیم دے، کفر و شرک کے دلدل سے نکالے، توحید کا راستہ دکھائے، جہالت کو دور کرے اور علم کی فضا قائم کرے، اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں تک پہنچائے، ظلم و جبر کے اصولوں کا خاتمہ کر کے اخلاقی قدروں کو عام کرے اور لوگوں کو گمراہ کرنے والی جماعتوں کے فریب سے بچا کر انھیں زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ سکھائے۔ تو ایسے بھیانک اور پر فتن دور میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پوری انسانیت کے لیے ہادی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

(سورة اعراف آية:١٥٨)

ترجمہ: تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اہل مکہ کی عبادتوں کا مشاہدہ:

نبی کریم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اور مکہ میں کفار و مشرکین کے درمیان اپنی چالیس سالہ زندگی گزاری اور اپنی آنکھوں سے ان کی حالات زندگی کا مشاہدہ کیا تو آپ نے دیکھا کہ لوگ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت میں لگ گئے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ کوئی درختوں کو پوج رہا ہے، کوئی پتھروں کے سامنے پیشانی جھکا رہا ہے، کوئی چاند و سورج کو سجدہ کر رہا ہے، کوئی فرشتوں اور حضرت عیسیٰ بن مریم کو اپنا معبود سمجھ بیٹھا ہے۔ لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی پوجا کر رہے ہیں، ان سے روزی

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ - البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ (یو. پی)

روٹی طلب کررہے ہیں، ان کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں، مصیبت اور پریشانی سے چھٹکارے کے لیے ان کی پناہ مانگ رہے ہیں، ان کے نام پر جانوروں کو قربان کرتے ہیں اور ان جھوٹے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی قربت اور محبت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اہل مکہ کی سماجی اور معاشی حالات کا مشاہدہ:

نبی کریم ﷺ نے مشاہدہ فرمایا کہ لوگ اپنے مقدمات، کاہنوں اور جادوگروں کے پاس لے کر جاتے ہیں۔ کھلے عام فحش اور حرام چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کرتے۔ مال و دولت کے حصول میں حلال حرام کی تمیز نہیں کرتے۔ تجارت اور سودی کاروبار دونوں کو ایک سمجھتے ہیں۔ جو طاقت ور ہیں وہ کمزوروں پر ظلم کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ یتیموں اور بیواؤں کے سر پر ہاتھ رکھنے کو عیب سمجھتے ہیں۔ بچیوں کو اپنے لیے عار سمجھ کر زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ لوگ مادہ پرستی اور دولت کے نشے میں ڈوب چکے ہیں۔ شراب نوشی کی محفلیں منعقد کرنا اور زنا کاری کے واقعات کو فخریہ بیان کرنا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ پورا معاشرہ اسی طرح کی بے شمار برائیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ طرح طرح کی اخلاقی اور سماجی برائیاں ان کے درمیان آچکی ہیں، جن کی وجہ سے دین براہیمی مکمل طور پر مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔

اہل مکہ کی دینی اصلاح:

ایسے تاریک و پراگندہ ماحول میں نبی پاک ﷺ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی، ایک خدا کی عبادت کی طرف بلایا، انھیں اس بات کی تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ ہی پوری دنیا کا خالق و مالک ہے۔ وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔ وہی ہمیں روزی دیتا ہے۔ اسی نے بحر و بر اور ساری کائنات کو پیدا کیا ہے؛ اس لیے صرف وہی ہماری عبادت کا مستحق ہے، اسی کے سامنے ہمیں سر جھکانا ہے۔ اسی کی پرستش کرنی ہے۔ ہم اسی سے روزی طلب کریں۔ اسی کی پناہ چاہیں۔ اسی کے نام پر جانوروں کی قربانی کریں۔ اسی کے لیے منتیں مانیں۔ اسی سے بھلائی طلب کریں اور اسی سے مصیبتوں کو دور کرنے کی امید رکھیں اور وہی ہماری ہر طرح کی عبادتوں کا مستحق ہے اور صرف وہی اس لائق ہے جس کے سامنے خشوع خضوع کے ساتھ جبین نیاز خم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَداً (سورۃ جن، آیۃ:۱۸)

ترجمہ: بے شک تمام مسجدیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔

اہل مکہ کی سماجی اصلاح:

نبی رحمت ﷺ نے پوری دنیا کو طہارت و پاکیزگی کا سبق پڑھایا۔ عفت و پاکدامنی کا درس دیا۔ حسن اخلاق اپنانے کا حکم دیا۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی تعلیم دی۔ اچھا پڑوسی بننے کا پیغام دیا۔ ہر طرح کے ظلم و جبر اور حرام چیزوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ لوگوں کو اچھی زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا فرمایا اور انھیں یہ درس دیا کہ ہم اپنے مقدمات، اپنے تمام مسائل اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کی روشنی میں حل کریں۔ حلال طریقے سے روزی کمائیں۔ شریعت کی روشنی میں اپنا مال خرچ کریں۔ آپ نے تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کے سامنے برابر لا کر کھڑا کر دیا اور پوری دنیا کو صاف طور پر یہ پیغام دے دیا کہ کسی انسان کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں، نہ تو عربی کو عجمی پر اور نہ ہی عجمی کو کسی عربی پر، اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُواْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّٰهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ۔(سورۃ اعراف، آیۃ:۳۳)

ترجمہ: تم فرماؤ میرے رب نے بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے۔ (کنز الایمان)

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِيْ الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ(سورة نحل،آية: ۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔ (کنزالایمان)

جناب ابوطالب سے شکایت اور نبی پاک ﷺ کا جواب:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب جناب ابوطالب بیمار ہوئے تو سرداران قریش کی ایک جماعت ان کے پاس آئی جس میں ابوجہل بھی تھا،ان لوگوں نے جناب ابوطالب سے شکایت کی کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے اوران کے متعلق ایسا ایسا کہتا ہے اور ایسا ایسا کرتا ہے۔آپ اپنے بھتیجے کے معاملے میں ہمارے ساتھ انصاف کیجیے۔ اپنے بھتیجے سے کہیے کہ اگر وہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دے تو ہم اسے اور اس کے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں گے۔جناب ابوطالب نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اے بھتیجے! تمھاری قوم شکایت لے کر آئی ہے اوران کا خیال ہے کہ تم نے ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے،تو آپ نے فرمایا کہ اے چچا جان میں چاہتا ہوں کہ وہ ایک کلمہ پڑھیں جس سے پورا عرب ایک دین پر قائم ہوجائے اور اہل عجم انھیں جزیہ ادا کریں۔ابوجہل نے کہا کہ ایک بار کیا ہم دس بار کہنے کے لیے تیار ہیں۔آپ نے فرمایا کہ کہو ’’لا الہ الا اللہ‘‘ تو وہ لوگ وہاں سے ناکام اور نامراد ہوکر الٹے پاؤں واپس ہوگئے اور اپنے کپڑوں کو پھاڑتے ہوئے کہہ رہے تھے:

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهاً وَاحِداً إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (سورة ص،آية:۵)

ترجمہ: کیا اس نے بہت خداؤں کا ایک خدا کردیا۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔(کنزالایمان)

کلمۂ توحید کا حقیقی مفہوم اور اہل مکہ کا ردعمل:

ان لوگوں کے ڈرنے اور بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اس کلمہ کا مطلب سمجھ لیا اور جان لیا کہ یہ کلمہ تمام انسانوں کو اسلام کے مطابق عبادات،معاملات،سلوک اور زندگی کے تمام شعبوں میں ایک نئے رنگ میں رنگنے کے مترادف ہے،اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بیان فرماتا ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (سورة :انعام آية:۱۶۲)

ترجمہ:تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

’’لا الہ الا اللہ‘‘ کا یہی وہ مفہوم ہے جس سے کفار مشرکین ڈرتے اور بھاگتے تھے۔اسی عظیم مقصد کی طرف نبی کریم ﷺ نے تمام انسانوں کو دعوت دی،اور یہی انسانی تاریخ کی سب سے مشکل اور عظیم ذمہ داری تھی جسے آپ نے ادا فرمایا۔نبی کریم ﷺ نے اسی کامل دین کی طرف لوگوں کو بلایا جس پر چل کے انسان دنیا میں اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوسکتا ہے اور آخرت کی ابدی سعادت حاصل کرسکتا ہے ؛لیکن اس کے باوجود تبلیغ اسلام کے ابتدائی برسوں میں مکہ کے صرف چند لوگوں نے ہی اس دعوت کو قبول کیا جن میں اکثریت کمزور لوگوں کی تھی اور انھیں اس کے بدلے میں کفار ومشرکین کی طرف سے بے پناہ سختیوں،مصیبتوں اور سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔کسی کو آگ پر لٹایا گیا،کسی کو ننگے بدن ریت پر گھسیٹا گیا،کسی کے سینے پر گرم پتھر ڈال دیا گیا اور کسی کو سخت دھوپ میں باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔

دین کی دعوت میں رکاوٹ بننے والے لوگ:

نبی کریم ﷺ کی اس دعوت کے راستے میں تین طرح کے لوگ رکاوٹ بن کر سامنے آئے۔

(۱) ایک وہ لوگ جو حق سے واقف تھے؛لیکن تکبر وعناد کی وجہ سے اس کا انکار کرتے تھے۔

(۲) دوسرے وہ لوگ جو آپ کے مقام ومرتبہ کو دیکھ کر بغض وحسد کی آگ میں جل رہے تھے۔

(۳) تیسرے وہ لوگ جو حق سے ناواقف، جاہل اور گمراہ تھے۔

یہی وہ تین سرکش اور شیطانی جماعتیں تھیں جو اللہ تعالیٰ کی

راہ سے لوگوں کو روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے اور ہتھکنڈے استعمال کرنے کے لیے تیار رہتی تھیں اور کسی بھی قیمت پر اللہ تعالیٰ کے نور، دین اسلام کو مٹانا چاہتی تھیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں ارشادفرماتا ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورة:صف،آية:۸)

ترجمہ: وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونھوں سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگر چہ کافر برا مانیں۔

نبی پاک ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت:

جب مکہ کے اندر سختیاں حد سے تجاوز کر گئیں اور اسلامی احکام پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہوگیا اور مکہ کے کفار ومشرکین نبی کریم ﷺ کے قتل کی سازش کرنے لگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کو ہجرت کا پیغام بھیجا اور اپنے بستر مبارک پر اس رات لیٹنے سے منع فرمادیا۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”فقال جبريل : ان اللّٰه اذن لك يامحمد بالهجرة الى المدينة فلا تبت هذه الليلة فى فراشك۔

ترجمہ: تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینے کی طرف ہجرت کی اجازت دیدی ہے تو آج کی رات آپ اپنے بستر پر نہ گزاریں۔

اس رات کفار مکہ کی ایک جماعت آپ کو قتل کرنے کی تاک میں دروازے پر کھڑی تھی۔ آپ ان کے سامنے سے سورہ یٰس کی تلاوت فرماتے ہوئے نکلے اور ان کی طرف مٹی پھینکی جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی روشنی ختم فرمادی۔ اسی درمیان آپ نے اپنے قریبی دوست حضرت ابوبکر کے ساتھ مکہ سے نکل کر غار ثور میں پناہ لیا۔ جب قریش کو اپنی ناکامی کا پتہ چلا تو آپ کی تلاش میں نکلے اور غار تک پہنچ گئے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف پیدا ہوا تو نبی پاک ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے پاؤں کی طرف دیکھے گا تو اس کی نظر ہم پر پڑ جائے گی۔ اس سوال پر نبی پاک ﷺ کا جواب ملاحظہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسے کی مثال دیکھیں۔ آپ فرماتے ہیں:

” يا ابابكر ما ظنك باثنين اللّٰه ثالثهما۔“(مشكاة المصابيح ،كتاب الفضائل ،باب فى المعجزات)

ترجمہ: اے ابوبکر ایسے دولوگوں کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے جن میں تیسرا اللہ تبارک وتعالیٰ ہو۔

تین دنوں کے بعد عبداللہ بن اریقط کو ساتھ لے کر مدینہ شریف کی طرف نکل گئے۔

نبی پاک ﷺ کی مدینہ شریف کی طرف ہجرت اسلام اور اہل اسلام کے لیے فتح ونصرت کی ابتدا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت سے کفار ومشرکین کے مکر وفریب کو ختم کردیا اور قتل کے لیے جو سازش رچی گئی تھی اسے ناکام بنادیا۔ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو قرآن پاک میں اس طرح بیان فرماتا ہے:

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورة:توبة آية: ٤٠)

ترجمہ: اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی، جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی۔ اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

اہل مدینہ کا اظہار مسرت:

نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ منورہ میں

داخل ہوئے تو مدینہ کے لوگ خوشی میں جھوم رہے تھے۔ اور کئی روز پہلے سے مدینہ شریف کے لوگ استقبال کے لیے بستی سے باہر آتے، آپ کا انتظار کرتے پھر شام میں گھروں کو واپس چلے جاتے تھے۔ جب انھیں آپ کے آمد کی خبر پہنچی تو خوشی سے جھوم اٹھے اور ان کی خوشی کا عالم یہ تھا کہ مدینے کی بچیاں دف بجا بجا کر محبت رسول کے اشعار گنگنا رہی تھیں۔ ہر ایک انصاری صحابی آپ کی میزبانی کے لیے بیتاب تھے اور اسی امید کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور میزبانی کی دعوت قبول کرنے کی درخواست کرتے اور آپ ہر ایک سے ایک ہی جواب ارشاد فرماتے کہ یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہے، یہ جہاں بیٹھے گی وہیں میری قیام گاہ ہوگی۔ یہ اونٹنی اس جگہ بیٹھی جہاں آج مسجد نبوی قائم ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس جگہ کو خریدا اور وہاں مسجد قائم فرمائی اور اسی کے آس پاس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے حجرے تعمیر کئے گئے۔ یہیں سے پوری دنیا میں اسلام کی روشنی پہنچی اور ہر علاقے سے لوگ ہجرت کرکے مدینہ شریف آنے لگے اور یہ شہر اسلام کا مرکز بن گیا۔

ہجرت مدینہ کے نتائج:

مدینہ شریف میں قیام کے دوران بڑے چھوٹے، مرد عورت، امیر غریب سب آپ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ آپ کے ذریعہ دین اسلام کو سمجھا، اسلامی تعلیمات پر عمل کیا، آپ کی سنتوں کو اپنایا اور آپ کے اخلاق وکردار کے آئینے میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کی۔ آپ کی مجلسوں میں حاضر ہوئے۔ آپ کی باتوں کو یاد کیا۔ آپ کی سنتوں کو محفوظ کیا۔ آپ کے تمام اقوال وافعال اور حرکات وسکنات کو دوسروں تک پہنچایا۔ تمام غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ کی عبادتوں کو جانا، لوگوں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کو دیکھا اور آپ کی سماجی، معاشی، سیاسی، معاشرتی اور عائلی حالات کا بہ غور مشاہدہ کیا اور خود بھی ان چیزوں پر سختی سے عمل کیا اور دوسروں کو بھی اتباع کی دعوت دیں اور اپنے بچوں کو مضبوطی کے ساتھ اسی روش پر قائم رہنے کی تلقین فرمائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابۂ کرام نبی پاک ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے، ہمیشہ آپ کی محبت میں جان ومال قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، آپ کی محبت کے سامنے دنیا کی تمام نعمتوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔ نبی پاک ﷺ سے اس درجے کی محبت ہی انھیں اس بات کی دعوت دیتی تھی کہ محبوب کے ایک ایک عمل اور ان کی ہر ہر ادا کو اپنی زندگی میں محفوظ کرلیں۔

یہی اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ہجرت نبوی کا عظیم فائدہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان اور عظیم نوازش ہے۔ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی عظیم سلطنتوں کو مسلمانوں کے قدموں میں ڈال دیا اور ہر طرح کی نعمتوں سے شہر مدینہ کو مالا مال کردیا۔

آیئے ہم بھی ہجرت کریں:

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والے صحابہ کرام کو جو مرتبہ اور اجر وثواب عطا فرمایا ہے آج ہم نہ تو اس ہجرت کا حصہ بن سکتے ہیں اور نہ ہی وہ مقام ومرتبہ حاصل کرسکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ایک دوسری ہجرت سے سرفراز کیا ہے جسے ہم اپنی زندگی میں اپنا کر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے شمار اجر وثواب کا مستحق ہو سکتے ہیں۔ وہ ہجرت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی چھوڑ کر اس کی اطاعت وبندگی کی طرف ہجرت کریں۔ افراط وتفریط کے راستے سے ہٹ کر اعتدال اور میانہ روی کی راہ پر آجائیں۔ تکبر وعناد، بغض وحسد اور تمام گناہوں سے توبہ کرکے اللہ کی بارگاہ میں سر کو جھکانے اور نیکی کے راستے کو اپنانے کے لیے ہجرت کریں۔ سستی، کاہلی اور جھوٹی امیدوں سے باہر آکر محنت ومشقت اور جدوجہد کی راہ پر چلیں تاکہ ہمارا رب راضی ہوجائے۔ دنیا کی محبت اور قربت حاصل کرنے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ سے قربت اور محبت پانے کی کوشش کریں۔ اپنے دلوں کو دنیا کی محبت سے نکال کر آخرت کے سکون واطمینان کی طرف لگائیں۔ دنیاوی کامیابی کے پیچھے بھاگنے کے بجائے آخرت کی کامیابی کی طرف دوڑ لگائیں۔ اگر ہم نے اس ہجرت کو اپنا کر اللہ اور اس کے رسول کا قرب پانے میں کامیابی حاصل کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس ہجرت کی برکت سے ہمیں دنیا میں بھی کامیاب کرے گا اور آخرت میں بھی عظیم نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه"(بخاری شریف،کتاب الایمان)

کامل مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہی ہے جو اللہ کی منع کردہ تمام چیزوں کو چھوڑ دے۔

ہجرت نبوی کا حقیقی مفہوم:

ہجرت نبوی کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے لیے بھلائی کا سرچشمہ بنایا ہے جس سے ہر دور میں بے شمار حکمتیں اور فائدے اخذ ہوتے رہیں گے۔اگر اس واقعہ کا غور وفکر کے ساتھ مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ہجرت نبوی صرف ایک شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر کی طرف جانے کا نام نہیں ہے؛ بلکہ ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے ،دین اسلام کی بقا کی خاطر اپنے وطن، گھربار ، جائیداد ،رشتہ دار اور مال واولاد کو قربان کرنے کا نام ہے۔ ہجرت نبوی مسلمانوں کی کمزوری کو طاقت سے بدلنے کا نام ہے۔ہجرت کی برکت سے مسلمان اقلیت سے اکثریت ،بکھراو سے اتحاد اور جمود سے حرکت میں آ گئے۔

ہجرت نبوی کے اسباق:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس ہجرت کے ذریعہ جو درس دیا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سفر میں ان تمام چیزوں کا استعمال فرمایا جو ایک انسان اپنے سفر کو محفوظ بنانے کے لیے کرسکتا ہے۔آپ نے اپنے بستر پر حضرت علی کو لٹایا۔سب سے قریبی دوست حضرت ابوبکر کو رفیق سفر بنایا۔زادسفر کے لیے حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ کو متعین فرمایا۔سفر کے لیے اونٹوں کا انتظام کیا اور عبداللہ بن اریقط کو راستہ دکھانے کے لیے ساتھ لیا۔اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کے لیے براق کا انتظام فرما دیتا اور بغیر کسی پریشانی کے مدینہ شریف پہنچا دیتا لیکن مقصود اس امت کو جان نثاری اور قربانی کا سبق پڑھانا تھا۔دین کی راہ میں آنے والی مشقت و پریشانی پر صبر کی تعلیم دینا تھا۔دین وایمان کی اہمیت لوگوں کو بتانی تھی۔دین کی خاطر دنیا کی تمام نعمتوں کو قربان کرنے کا طریقہ سکھانا تھا۔مشکل سے مشکل وقت میں اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ اور اعتماد کی بہترین مثال پیش کرنی تھی اور ہمیں یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی ہمارے لیے مشکل سے مشکل حالات میں بھی نمونہ اور آئیڈیل ہے اور آپ کے راستے پر چلنے میں ہی کامیابی کے امکانات پوشیدہ ہیں۔اس واقعے سے تمام مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ دین کی اہمیت دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔اگر دین کی حفاظت کے لیے جان ومال قربان کرنا پڑے تو قربان کردے۔دین کی بقا کے لیے تمام انسانی وسائل و ذرائع کا استعمال کرے۔کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے مکمل تیاری کرلے۔اپنا مقصد اور ہدف ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھے۔اپنی استطاعت بھر مکمل تیاری کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ اور یقین رکھے۔

ایک مسلمان کی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے دین کی مدد اور حفاظت کرے۔اپنے گھر،خاندان،معاشرہ اور پورے ملک میں اسلامی احکام پر عمل کی دعوت عام کرے۔اللہ کی طاعت وبندگی پر مضبوطی سے قائم رہے اور دین کی راہ میں آنے والی ہر طرح کی تکلیفوں پر صبر کرے۔

دنیا میں مسلمانوں کی موجودہ حالت ہم سے اس بات کا تقاضہ کررہی ہے کہ ہم ہجرت نبوی کے دروس اور حکمتوں سے استفادہ کریں۔آج مسلمانوں کی حالت صرف انھیں اصولوں پر عمل کرنے سے بدل سکتی ہے جن قوانین وضوابط پر ہمارے اسلاف نے عمل کیا ہے کہ ہم دین پر مضبوطی سے قائم ہوجائیں ،حسن اخلاق کو اپنائیں ،اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ پیدا کریں، اللہ سے کیے ہوئے وعدوں میں سچے بن جائیں اور بندوں کے تمام حقوق ادا کرتے ہوئے اپنی زندگی کو اس حدیث کا مصداق بنالیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"اِتقِ اللّٰه حيثما كنتَ واتَّبعِ السيِّئَ الحسنةَ تمحُها وخالِقِ الناسَ بخُلُقٍ حسنٍ"(ترمذی شریف)

ترجمہ: جہاں بھی رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو،اگر تم سے کوئی گناہ ہوجائے تو فورا کوئی نیکی کا کام کرو جو اس گناہ کو ختم کردے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔

مولانا فروغ احمد اعظمی

مضامین

ابتدائی تعلیم گاہیں اور ان کی تشکیلات

اسلام نے اسلامی تبلیغ کے آغاز ہی سے علم، تعلیم وتعلم اور اس کی حوصلہ افزائی کی جانب توجہ دی، چنانچہ قرآن مجید کی ابتدائی آیتیں قراءت اور علم سے متعلق ہیں۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْـرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ،عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق، آیت: ۱-۵)

"اپنے رب کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا، انسان کو بستہ خون سے پیدا فرمایا، پڑھو، دراں حالیکہ تمھارا رب ہی سب سے کریم، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، انسان کو وہ سب بتا دیا جو اسے معلوم نہ تھا"۔

عظیم نکتہ:

اللہ تعالیٰ وہ عظیم نکتہ بتانے کے لیے قلم کی قسم کھا رہا ہے، جس میں یہ راز پنہاں ہے کہ قلم، علم ومعرفت ہے۔

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (القلم) (القلم، آیت: ۱)

قلم اور اس کی قسم جو لکھتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کائنات کو علم وقلم، تعلیم وتعلم اور غور وفکر اور انکشاف کا میدان قرار دیتا ہے:

سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِيْ الْآفَاقِ وَفِيْ أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ سجدہ، آیت: ۵۳)۔

عنقریب ہم ان کو دنیا بھر میں اور خود ان میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یقیناً وہ حق ہے۔

قرآن مجید جس علم کا ذکر کر رہا ہے، اور جس کی دعوت دے رہا ہے وہ اپنے مفہوم میں عام ہے، جیسا کہ درج بالا آیات میں علم مطلق ہی قرآن کا مقصود ہے، کیوں کہ یہی علم کائنات، انسان اور زندگی کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو کائنات کے لیے ایک رہنما کتاب بنایا اور اس میں اپنی کاریگری اور تخلیقات کی جانب انسانوں کے اذہان وقلوب اور نگاہوں کی توجہات کو مبذول کرایا، اور انھیں اس کی آیات میں غور وفکر کی دعوت دے کر اس ارشاد کے ذریعہ علم کا دروازہ کھولا اور انسانی عقول کو تعطل اور بندش سے جھنجھوڑا۔

اسلام کی پہلی تعلیم گاہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ برس تک لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور دعوت اسلام قبول کر لینے والوں کی تربیت کرنے اور ان میں سے حصول علم وحکمت کے شائق طالبین کے لیے تعلیمی نشست گاہوں کے بندوبست میں برابر مصروف رہے، اس طرح سے اسلام کی تبلیغ کے پہلے ہی دن اسلامی تعلیم شروع ہو گئی، اس وقت گھروں کے اندر ہی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ تعلیم وتعلم کی کارروائی انجام پاتی تھی، لیکن جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، تو مسلمانوں کی کثرت اور ہجوم کے سبب تعلیم کے ٹھکانے تنگ ہو گئے، اور یہ تعلیمی ٹھکانے ان جگہوں میں محدود نہ رہ گئے، جن میں مسلمان، معلم اول جناب محمد رسول اللہ ابن عبد اللہ سے تعلیم وتعلم کی مہارت کا ملکہ حاصل کرتے تھے۔

چونکہ مسلمانوں کے لیے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

☆ شیخ الحدیث دار العلوم مدینۃ العربیہ، دوست پور، ضلع سلطان پور، وسابق صدر المدرسین، دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی (یو. پی)

کی تعلیمات اور ارشادات کے افادہ کی مکمل آزادی حاصل نہیں تھی، اس لیے آپ نے دارارقم کو مرکز بنایا، جس میں اپنے اصحاب اور متبعین کو اکٹھا فرما کر دین اسلام کی بنیادی تعلیمات سکھاتے اور قرآن مجید کی نازل شدہ آیات کی تعلیم دیتے تھے، جہاں کہ اسلام کی طرف مائل لوگ اپنے دلوں کو اسلام کی تعلیمات وارشادات سے آباد کرنے کے لیے آتے اور حلقہ بگوش اسلام ہوکر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوجاتے تھے۔(تاریخ طبری ج۳ص ۱۳۳۵)

اور یہی وجہ ہے کہ دارارقم تاریخ اسلام کا سب سے پہلا تعلیمی ادارہ ہوگیا، اور پورے مکی دور میں اس عہد کی تعلیمی خدمات برابر انجام دیتا رہا۔

مساجد ادارۂ تعلیم:

جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے ایک ایسی نئ سوسائٹی کی تلاش میں جو اسلامی دعوت کا گہوارہ ہو، مدینہ منورہ چلے گئے تو دارارقم جیسی تعلیم گاہ مدنی سوسائٹی کے لیے مناسب نمونہ نہ رہ گئی، کیوں کہ مسلمانوں کی تعداد مدینہ منورہ میں دن بہ دن بڑھتی جارہی تھی، جس طرح کہ مکہ مکرمہ میں تعلیم گاہوں کے انعقاد کے لیے گھر نامناسب ہوگئے تھے، دیکھتے دیکھتے مدینہ منورہ کے مسلم گھرانے مخصوص اجتماعی علامت بن گئے، علم کا کوئی شائق جانکار سے حصول علم کے لیے کسی ایک گھر کی جانب رجوع کرنے پر قناعت نہ کرتا، جس کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے جانکار حضرات کو اپنے گھروں میں رہ کر کہیں آنے جانے کا کوئی موقع فراہم نہ ہوپاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود تھے اور آپ کی مقدس ہستی دینی علوم کے حصول کے لیے ایسا مرکز تھی، جس کی طرف رجوع لائق تھا، اور اسلامی سوسائٹی اور تاریخ اسلام میں ان تغیرات کے مناسب ایک تعلیم گاہ کا قیام ناگزیر تھا اور یہ مطلوب تعلیم گاہ مسجد تھی۔

زمانۂ ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اولین اقدام یہ فرمایا کہ مسجد کو ایک عبادت خانہ، ایک درسگاہ، ایک عدالت اور ایک تجربہ گاہ ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو اس سے مکمل طور سے منسلک کردیا، چنانچہ شروع ہی سے مسجدیں اسلامی زندگی کی تہذیبی، تربیتی اور فکری رہنمائی کا مرکز بن گئیں، اور مدینہ منورہ میں داخلہ سے پہلے جب آپ نے قبا میں چندر روز قیام فرمایا تو تعمیر مسجد قبا کے ارادہ کی تفسیر یہی چیز تھی اور یہی وہ پہلی مسجد ہے، جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی:

”لمسجد اُسّس علیٰ التقویٰ من اوّل یوم ،احق ان تقوم فیه“(التوبة، آیت ۱۰۸)

بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ تم اس میں قیام کرو۔

مسجد قبا میں علمی حلقے قائم ہوئے اور یہ مسلمانوں کی زندگی کے زندہ مظہر کی حیثیت سے برابر جاری رہے، جہاں نئے دین کی تعلیمات کی تشریح کے لیے اولین اسلامی اسباق دین کے معلوم اسباق ہوتے اور یہ اس سوسائٹی کی جدید بنیادوں کا فطری نتیجہ تھا کہ جنھیں ان کے گوشوں کے ساتھ سمجھنا ضروری تھا۔(احیاء علوم الدین ج۱ص ۵۲)

اور مدینہ منورہ میں قیام کے بعد بلاتاخیر آپ نے اپنے اگلے منصوبہ یعنی تعمیر مسجد نبوی کے لیے قدم اٹھایا، مسجد نبوی کی تعمیر کا مقصد صرف ایک عبادت خانہ کی تیاری ہی نہیں تھی، بلکہ نئ سوسائٹی کی ضروریات کی تکمیل بھی اس کے مقصد میں شامل تھی، تاکہ اس سوسائٹی کے قائدین اور معلمین اس جگہ جمع ہوکر قرآن مجید اور اس کے ارشادات وفرامین کی تعلیم وتفہیم کا کام انجام دے سکیں، مسجد نبوی ایک ایسا حیات بخش مرکز تھا جو جدید اسلامی معاشرہ میں مختلف شعبہ ہائے حیات کا کام انجام دے رہا تھا، قرآن مجید میں احکام نازل ہونا شروع ہوئے اور معاشرہ اور مختلف نظامہاے حیات نے انھیں اپنانا شروع کیا اور تعلیمی حلقوں کے لیے اس انداز کا نظام لازمی امر بن گیا، جو کہ مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرسکے، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے منقول احکام وفرامین کی معرفت کے حصول کے ذرائع مہیا کرسکے۔

چنانچہ اسلامی تاریخ میں جمہور امت مسلمہ کی خدمت کے لیے سب سے پہلا تعلیمی وتربیتی سسٹم عالم وجود میں آیا، اسلامی معاشرہ میں تعلیم وتعلم کے عام کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلا تجربہ جسے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدنی سوسائٹی میں کیا، وہ مسلم بچوں کو لکھائی اور پڑھائی سکھانے کا تھا، اور یہ تعلیم یافتہ اور پڑھی لکھی نسل تیار کرنے کی فکر کی ابتدا میں ایک دوراندیشانہ اقدام تھا، سن رسیدہ حضرات کے لیے الگ دوسری تعلیمی وتربیتی درسگاہیں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے ہر اس قیدی پر جو عمدہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا، یہ لازم قرار دے دیا تھا کہ اگر وہ اپنی جان کا فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دس مسلم بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے، ابتدائے اسلام کا دوسرا تعلیمی تجربہ یہ تھا کہ مدنی سوسائٹی میں رہنے والے ذمی، مسلمان بچوں کو لکھنا، پڑھنا اور حساب سکھانے کی خدمت انجام دیں اور اس طرح کی تعلیم خود ان ذمی معلمین کے گھروں میں انجام پاتی تھی، لیکن قرآن مجید اور بنیادی اسلامی احکام ومسائل کی تعلیم ان گھروں سے الگ تھلگ، خاص مکتبوں میں دی جاتی تھی، جن کے نصاب کا محور قرآن مجید ہی تھا، اور اس نصاب کو خود مسلمان بناتے تھے۔ (تاریخ التربیۃ الاسلامیۃ شلبی ص ۴۰)۔

ابتدائے اسلام اور اس کے قریبی زمانہ میں مدینہ منورہ کے اندر عام طور پر مکتبوں کا وجود تھا، جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مکتب کے معلم کے پاس اس غرض کا ایک پیغام بھجوایا کہ معلم صاحب اون دھننے اور اس کو بننے میں آپ کا تعاون کرنے کے لیے وہ اپنے کچھ شاگردوں کو آپ کے پاس بھیج دیں۔ (تاریخ التربیۃ الاسلامیۃ شلبی، ص ۴۰)۔

بلا روک ٹوک داخلہ:

مدینے کی تعلیم گاہیں کسی مخصوص طبقہ کے لیے محدود نہیں تھیں، بلکہ مدینہ منورہ کے تمام افراد کے لیے بلا روک ٹوک کھلی ہوئی تھیں اور ان میں بکثرت تعلیم کے مواقع فراہم تھے، کیوں کہ جائے تعلیم مسجدیں تھیں، اور بلا اختلاف مسجدوں کے دروازے تمام لوگوں کے لیے کھلے ہوئے تھے، اور مسجد کے حلقے تمام لوگوں کے استقبال اور مفت تعلیم کے لیے تیار رہتے تھے، یونہی وہاں طلب علم کے لیے کسی متعینہ عمر کی بھی پابندی نہیں تھی، بلکہ ہر مسلمان اپنا یہ فرض سمجھتا تھا کہ اپنی عمر کے کسی بھی خالی وقت میں حتی الوسع اسے تعلیم حاصل کرنی ہے۔

مخلص مسلمانوں نے اپنی کبرسنی کے باوجود تعلیم حاصل کی ہے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احکام ومسائل سن کر اور سیکھ کر آپس میں تعلیم گاہ کی حاضری کا تبادلہ کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے مختلف علوم میں مہارت پیدا کی، چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب علم قضا میں، حضرت معاذ بن جبل افتا میں، حضرت زید بن ثابت میراث میں، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم فن قراءت میں ماہر ہوئے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم لغت کے حصول کے لیے صحابۂ کرام کو ابھارا، چونکہ جب آپ نے جزیرۂ عرب کے باہر بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس مبلغ اور قاصد بھیجے تو آپ کو دوسری زبانوں کے ماہرین کی ضرورت کا احساس ہوا، بالخصوص یہودیوں کی زبان جو کہ مدنی معاشرہ میں آپ کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، اور چونکہ آپ یہودیوں کی جانب سے غیر مامون تھے، آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہودیوں کا رسم الخط سیکھنے کا حکم دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی تعلیمی مجلسوں میں بچوں کے باپوں اور بزرگوں اور معلمین کو چھوٹے بچوں کی تربیت کی ہدایت فرماتے تھے، حالاں کہ بچے مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حصول تعلیم کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے، مگر تربیت کا حصول مسجد سے باہر آبا و معلمین ہی سے ممکن تھا، آپ انھیں ہدایت فرماتے تھے کہ:

”علموا اولادکم السباحة والرماية وركوب الخيل“ (احیاء العلوم ج۱ ص۶)۔

اپنے بچوں کو تیراکی، تیراندازی اور گھوڑسواری سکھاؤ۔

اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ’’علّموا اولادکم السباحة والفروسية وردوهم ماسار من المثل وحسن الشعر‘‘ (البیان والتبیین ج۲ص۹۲)

اپنے بچوں کو تیراکی اور گھوڑسواری سکھاؤ، اور انھیں گذشتہ مثلیں اور عمدہ اشعار سناؤ۔

تعلیم وتعلّم کی طرف اسلام کی توجہ:

تعلیم اور طلب علم پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توجہ سے متعلق بہت سے ثبوت موجود ہیں، ایک دن آپ تشریف لاتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو مجلسیں آراستہ ہیں ان میں سے ایک میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا میں منہمک ہیں اور دوسری مجلس میں ایک جماعت لوگوں کو تعلیم دے رہی ہے، یہ دیکھ کر آپ فرماتے ہیں کہ:

’’وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہے ہیں، انھیں وہ چاہے تو دے اور چاہے تو نہ دے، مگر یہ لوگ جو لوگوں کو تعلیم دے رہے ہیں......اور میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا‘‘ (ابن ماجہ: ۲۲۹) پھر اس دوسری مجلس والی جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے، اس واقعہ میں ہمارے لیے تعلیم گاہوں اور علم کی نشر واشاعت کی حوصلہ افزائی اور علم اور ان معلمین کی عظمت کے ذکر کی جو کہ لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں، ایک بہترین مثال موجود ہے۔

بیشک طلب علم میں ایک صبح اللہ تعالیٰ کو سو جہاد سے زیادہ پسند ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۱۹)

فرما دیجیے، کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں (الزمر: ۹)

اگر تمھیں علم نہ ہو تو علما سے دریافت کرو۔ (النحل: ۴۳)

اگر ان کے ہر گروہ سے کچھ لوگ نکلتے تو دین کی سمجھ حاصل کرتے۔ (التوبہ: ۱۲۲)

(صفحہ ۱۲ر کا بقیہ)......اور جمروں پر رمی کرنے میں ہر کنکری پر ایک ایسا کبیرہ مٹا دیا جائے گا جو ہلاک کرنے والا ہے اور قربانی کرنا تیرے رب کے حضور تیرے لیے ذخیرہ ہے اور سر منڈانے میں ہر بال کے بدلے میں نیکی لکھی جائے گی اور ایک گناہ مٹایا جائے گا۔ اس کے بعد خانۂ کعبہ کے طواف کا حال یہ ہے کہ تو طواف کر رہا ہے اور تیرے لیے کچھ گناہ نہیں ہے، ایک فرشتہ آئے گا اور تیرے شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا: زمانہ آئندہ میں عمل کر اور زمانہ گذشتہ میں جو کچھ تھا معاف کر دیا گیا۔ (الترغیب والترہیب، کتاب الحج والعمرہ۔ الخ، ج:۲، ص:۱۱۰)۔

ابویعلیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو حج کے لیے نکلا اور مر گیا۔ قیامت تک اس کے لیے حج کرنے کا ثواب لکھا جائے گا اور جو عمرہ کے لیے نکلا اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک عمرے کرنے کا ثواب لکھا جائے گا، اور جو جہاد میں گیا اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک غازی کا ثواب لکھا جائے گا۔ (مسند ابویعلیٰ، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ج:۵، ص:۴۴۱)

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ وطفیل میں تمام خوش عقیدہ مسلمانوں کو اپنے مقدس گھر کا حاجی بنائے اور اپنے حبیب مکرم ﷺ کے مبارک روضے کے دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین

مولانا محمد اجمل مصباحی

مضامین

دعوت وتبلیغ میں جدید وسائل کا استعمال

دعوت وتبلیغ کا آسان مطلب لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی باتیں پہنچا کر انھیں رب کی راہ کی طرف بلانا اور تاریکی وگمرہی سے نکال کر نور و ہدایت کی طرف لانے کی کوشش کرنا ہے۔ دعوت وتبلیغ ایک بہت ہی اہم اور بنیادی فریضہ ہے اور مذہب اسلام کی ایک بڑی ذمہ داری بھی جس میں ہر مسلمان کو حتی المقدور حصہ لینا چاہیے۔ اسلام کی نشر واشاعت میں دعوت وتبلیغ کا اہم کردار رہا ہے۔ نبی سے لے کر ایک عام مومن تک سب نے اس سلسلے میں جد وجہد کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم دولت اسلام سے سرفراز ہیں۔ اس لیے اب ہمارا بھی حق بنتا ہے اور ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم بھی دوسروں تک اسلام اور انسانیت کی صحیح روشنی پہنچائیں اور آنے والی نسلوں کی خیرخواہی کا انتظام کریں۔

دعوت وتبلیغ کی اہمیت وافادیت اس بات سے اچھی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اس کا ذکر فرمایا؛ کہیں حکم کی صورت میں تو کہیں اس کام کی ترغیب کی خاطر۔ جیسا کہ ایک جگہ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

وَلۡتَكُن مِنكُم اُمَّة يَدعُونَ اِلَى الخَيرِوَيَامُرُونَ بِالمعروفِ و يَنهَونَ عنِ المُنكَرِ و اُولٰئكَ هُمُ المُفلِحُون(آل عمران:۱۰٤)۔

ترجمہ: اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے، اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اور ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اُدۡعُ اِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَة وَجَادِلۡهُم بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَن(النحل:۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

تمام امتوں سے امت محمدیہ کے افضل واعلیٰ ہونے کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے اس بات پر رکھی ہے کہ ہم (امت محمدیہ) دعوت و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں بلکہ ہمارے ظہور اور دنیا میں آنے کا ایک سبب اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کو بھی بنایا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

كُنتُم خَيرَ اُمَّة اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَ تَنهَونَ عَنِ المُنكَر(آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

دعوت وتبلیغ کے ذرائع ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں۔ کبھی مسلم تاجروں کے ذریعے بلند اخلاق اور اسلام کے دلکش اصول پیش کیے گئے اور لوگوں نے مائل ہو کر اسلام قبول کیا تو کبھی بستی بستی جا کر اسلام کی تبلیغ کی گئی۔ افسوس ہے کہ آج تجارت اور اسی طرح کے دوسرے معاملات طے کرنے میں مسلم وغیر مسلم کا کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ الا ماشاءاللہ۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آخر الذکر طریقہ آج بھی جاری ہے اور جاری رہنا چاہیے۔ نیز جلسہ وجلوس تو تقریباً ہر زمانے میں تبلیغ دین کے بہترین ذرائع رہے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اب ہم اپنے رویوں، طور طریقوں اور بد نظمی کے سبب ان سے اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں کر پا رہے ہیں اور دن بدن ان کی اہمیت وافادیت گھٹتی جا رہی ہے۔ ہمیں اس کے تدارک کی فکر اور

☆ ریسرچ اسکالر- البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ (یو. پی)

کوشش کرنی چاہیے۔

ان کے علاوہ بھی دعوت وتبلیغ کے کئی طریقے مختلف زمانوں میں استعمال کیے گئے۔لیکن آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اسے جدید، تکنیکی اور ترقیاتی دور کہا جاتا ہے۔اور موجودہ صدی نے سائنسی صدی کے نام سے اپنی پہچان بنالی ہے۔لہٰذا جس طرح دنیا کے بیشتر کاموں کے لیے جدید اور تکنیکی (Technical) وسائل وذرائع کا استعمال کیا جارہا ہے،اسی طرح ایک حد تک دعوت وتبلیغ میں بھی ان ذرائع کا استعمال ہونا چاہیے۔اورہمیں عصر حاضر کے طریقہ ہائے حکیمانہ کو ضرور گلے لگانا چاہیے جیسے آج کل ہم پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا جیسے بڑے ذرائع ابلاغ و ترسیل کو اپنی دعوت کے لیے ایک نہایت وسیع اور مؤثر ہتھیار کی صورت میں استعمال کر سکتے ہیں۔کیوں کہ آج دیہات سے لے کر شہر تک اور ایک چائے کی دکان سے لے کر پارلیمنٹ کے ایوانوں تک اِن چیزوں کا دور دورہ ہے۔اکثر عوام خصوصاً ہمارے نوجوان سوشل میڈیا میں خوب دلچسپی لے رہیں۔ایک ہندی اخبار'دینک بھاسکر' کی ایک رپورٹ کے مطابق تنہا سوشل میڈیا ہندوستان کی ۸۲ فیصد آبادی کو کور(Cover) کررہا ہے۔

کسی بھی زمانے میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ہاں اب ان کی اہمیت وافادیت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ حکومتوں کے انتظام اور ان کے بننے بگڑنے کا انحصار بڑی حد تک اِنھیں چیزوں پر ہوگیا ہے۔اور باقاعدہ حکومتوں نے ایک وزارت ہی برائے اطلاعات ونشریات بنادی ہے۔اُدھر پارلیمینٹ یا اسمبلی میں کوئی اہم بات ہوئی،اِدھر میڈیا میں اس کا چرچا شروع ہوجاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں آج بھی ہم ان کے استعمال سے گریز کررہے ہیں جب کہ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہمارے قائدین اور مبلغین ان ذرائع کو اپنائیں اور ٹی وی چینل وغیرہ پر جو اسلام کے خلاف کیچڑ اچھال کر اسلام کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اِس کے خلاف اٹھیں، اعتراضات کے تشفی بخش اور سنجیدہ جوابات دے کر اسلام کی حفاظت کریں اور اسلام کی دلکش اور حقیقی صورت اور اس کی سماجی تعلیمات کو خوب عام کر کے دنیا میں امن وامان پیدا کریں۔

یوٹیوب، فیس بک، بلاگ اور ویب سائٹ وغیرہ پر ہونے والی بحثوں اور تبصروں کا جواب ان محدود جلسہ وجلوس اور اداروں میں بیٹھ کر کیسے اور کب تک دیا جاسکتا ہے؟ اس بات پر جتنا جلد ممکن ہو توجہ دینے کی ضرورت ہے حالانکہ اس سے پہلے بھی دردمندوں نے صدائیں لگائیں، جماعت کے اکابر کو پکارا۔مگر افسوس اب تک کامیاب پیش رفت نہ ہوئی۔کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے پرانے طریقۂ کار پر نظر ثانی کریں؟ کیا دوسری قوموں اور نظاموں کی طرح ہمیں نشاۃ ثانیہ کی ضرورت نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے۔لیکن ان سب کے باوجود ہماری جماعت کے گنے چُنے افراد ہی اپنی توجہ اس جانب مبذول کررہے ہیں۔ہمارا نوجوان طبقہ ضرور سوشل میڈیا میں دلچسپی لے رہا ہے لیکن وہ دین کے نام پر غیر مسلموں سے بحث و مباحثہ اور گالی گلوج کی حد سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔اور سمجھتا ہے کہ وہ دین کی اچھی خدمت انجام دے رہا ہے جبکہ عموماً ان کے اس عمل سے نقصان کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

چونکہ کسی بھی شئی سے استفادہ کے لیے خود اس شئی، اس کے اصول وضوابط اور اس کے طریقہ کار سے واقفیت نہایت ضروری ہوتی ہے ورنہ بسا اوقات نتیجہ برعکس بھی ہوجاتا ہے۔تو آیئے قدرے گہری نظر اس بات پر ڈالیں کہ وہ وسائل وذرائع کیا ہیں اور انھیں کیسے استعمال میں لایا جائے کہ ہمارے لیے دعوت وتبلیغ کی راہیں ہموار اور وسیع ہوسکیں اور ہم بھی زمانے کے دوش بدوش چلنے میں پیچھے نہ رہیں۔

جدید ذرائع ابلاغ:

ذرائع ابلاغ (Media) سے مراد وہ تمام ذرائع ہیں جن کی مدد سے ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ان کو کئی حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے ان میں ایک تو بہت ہی قدیم ہے یعنی پرنٹ میڈیا۔اور باقی دو جدید میڈیا ہیں جیسے الیکٹرانک میڈیا اور

سوشل میڈیا۔

پرنٹ میڈیا:

اس میں وہ تمام ذرائع شامل ہیں جن کی مدد سے ہم لکھ کر بات چیت کر سکتے ہیں جیسے روزنامہ، ہفتہ واری اور پندرہ روزہ اخبارات، ماہنامہ، سہ ماہی میگزین اور سالانہ رسائل اور پمفلٹ وغیرہ۔

الیکٹرانک میڈیا:

اس میں وہ تمام ذرائع آتے ہیں جن میں بات کو پہنچانے کے لیے برقی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے موبائل، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، ریڈیو اور انٹرنیٹ وغیرہ۔

سوشل میڈیا:

جو ویب سائٹ، سافٹ ویئر پروگرام یا ایپ (Applications) سماجی ربط و تعلق کے لیے استعمال کیے جائیں اور علی الفور جن کے ذریعہ ہم مواد (تحریر و تقریر اور ویڈیو وغیرہ) کا تبادلہ کر سکیں، انھیں سوشل میڈیا کہا جاتا ہے۔ جیسے فیس بک (Facebook)، واٹس ایپ (Whatsapp)، ٹوئٹر (Twitter)، انسٹاگرام (Instagram)، وی چیٹ (Wechat)، یوٹیوب (Youtube)، بلاگس (Blogs) اور انٹرنیٹ ویب سائٹ وغیرہ۔

قدیم یعنی پرنٹ میڈیا کی حد تک تو ہم کچھ نہ کچھ زمانہ کے شانہ بشانہ چل رہے ہیں جیسے ماہنامہ، سہ ماہی اور پمفلٹ وغیرہ مدارس و مساجد سے جاری ہیں۔ لیکن ابھی بھی اخبارات کے ذریعے اسلامی تہذیب و ثقافت اور اپنے شعائر اسلامی کے اظہار و تشہیر سے بہت دور ہیں بلکہ دور بھاگ رہے ہیں۔ مختلف زبانوں میں اخبارات کے جاری کرنے کا مطلب غیروں تک بھی اپنی باتیں پہنچا دینا۔ جبکہ رسائل و جرائد ہمارے اپنوں ہی کے درمیان گھومتے رہتے ہیں اور ہم اس دور و تسلسل (Cycle) سے باہر نہیں آپاتے۔ لہٰذا غیر سنیوں کے ساتھ غیر مسلموں تک اسلامی تعلیمات پہنچانے اور انھیں اسلام و مسلمانوں کی صحیح صورت سے روشناس کرانے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اخبارات کو علاقائی اور مقامی زبانوں میں چھاپ کر بڑے پیمانے پر شائع کریں۔

جہاں تک الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کی بات ہے تو ان ذرائع سے بھی ہم کوسوں دور ہیں جبکہ اس میدان میں دعوت و تبلیغ کے بہترین اور خاصے مواقع میسر ہیں۔ ان میں چند پر ہم یہاں گفتگو کریں گے۔

(۱) فیس بک:

سوشل میڈیا کا سب سے بڑا پلیٹ فارم یہی فیس بک ہے بشرطیکہ واٹس ایپ کو سوشل میڈیا میں شامل نہ مانا جائے جیسا کہ بعض ماہرین مانتے ہیں۔ بہر حال فیس بک پر ایک اکاؤنٹ (Fb Account) بنا کر دعوت و تبلیغ کے مندرجہ ذیل امور بخوبی انجام دیے جاسکتے۔

(الف) ہر قسم کی تحریر و تقریر لوگوں تک پہنچانے کے لیے ڈائریکٹ پوسٹ کر سکتے ہیں۔

(ب) کچھ خاص لوگوں کا گروپ (Group) بنا کر لوگوں تک اپنی خاص سرگرمیاں محدود رکھ سکتے ہیں اور ان کی اصلاح و تربیت کر سکتے ہیں۔

(ج) کسی بھی نام سے کوئی خاص پیج (Page) بنا کر اسلامی مواد (Content) لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ ساتھ ہی کسی بھی جلسہ وجلوس کے بیانات کو براہ راست (Live) لوگوں کو دکھا سکتے ہیں۔

(د) یہاں سے اسلامی تعلیمات کا کوئی سلسلہ شروع کر سکتے ہیں۔ جیسے بیانات کا سلسلہ مضامین کا سلسلہ وغیرہ۔

(۲) یوٹیوب:

آج کی دنیا خصوصاً نوجوان تو یوٹیوب کے دیوانے ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے اس کے فوائد بھی نظر انداز نہیں کیے جاسکتے۔

(الف) یوٹیوب پر آپ کسی بھی نام سے اپنا چینل بنا کر اس کے ذریعے اسلامی تعلیمات بشکل ویڈیو یا آڈیو اپنے چینل پر اپ

لوڈ (Upload) کر سکتے ہیں۔

(ب)　یوٹیوب پر درس و تدریس، کوچنگ (ٹیوشن) وغیرہ خوب زور وشور سے جاری ہیں، لیکن افسوس کہ ان میں تقریباً سب عصریات سے متعلق ہیں۔اسی طرح ہم بھی اپنے چینل بنا سکتے ہیں کوئی درسِ قرآن کے نام سے، کوئی درسِ حدیث کے نام سے، علماء کے بیانات کے نام سے تو کبھی اردو اور عربی زبان سکھانے کے نام پر، یہاں تک کہ مدارس و مساجد میں ہونے والے دروس اسلامی کو بھی یوٹیوب اور فیس بک کے ذریعے آن لائن لائن (Online) لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

(ج)　آن لائن مدارس، آن لائن مکاتب اور آن لائن اسلامیات کے نام سے بھی سلسلہ جاری کر سکتے ہیں۔مزید

(د)　اسلامی مواد کے ایپس (Applications) بنا کر پلے اسٹور (Play store) پر شائع کر سکتے ہیں۔

(۳)　ٹویٹر اور واٹس ایپ:

ان دونوں کا استعمال تقریباً برابر ہے، دونوں کے ذریعے آپ اسلامی تحریر و تقریر آسانی سے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

(۴)　بلاگس:

بلاگس براہ راست گوگل پر بنائے جا سکتے ہیں جس میں آپ علماء کرام کے بیانات، مضامین اور مقالے وغیرہ اپ لوڈ (ڈال) کر کے دعوت و تبلیغ کا فریضہ کچھ حد تک انجام دے سکتے ہیں۔

(۵)　ویب سائٹس:

بلاگز اور ویب سائیٹس کے کاموں میں کوئی خاص فرق نہیں، ہاں بلاگز میں مذکورہ سارے کام مفت (Free) میں ہو جاتے ہیں جبکہ ویب سائٹ پر ان کاموں کے لیے کچھ معاوضہ دینا پڑتا ہے۔

الحمد للہ ہمارے بعض علما و طلبا اور نوجوانانِ ملت اگر چہ نا کے برابر ہی سہی یہاں دعوتی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہے لیکن پھر بھی ان بڑے اور مفید ذرائع سے ہماری دوری کے کچھ اسباب ہیں۔ایسا نہیں کہ ہماری جماعت میں لائق افراد کی کمی ہے ہاں اگر کسی چیز کا فقدان ہے تو نظم و نسق کا فقدان ہے، تنظیم اور اصول پسندی کا فقدان ہے، حافظ ملت کے اس قول ''ہر اختلاف کا جواب کام ہے'' پر عمل کا فقدان ہے۔ ہمارے علما دسیوں سال پڑھ کر جب فارغ ہوتے ہیں تو ان کے سامنے نہ کوئی متعین راہ ہوتی ہے نہ کوئی خاص میدان۔عموماً مدارس کی طرف سے بھی اس بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی اور معاشی پریشانیاں بھی اس راہ میں بسا اوقات روڑا ڈالتی ہیں۔آج بھی اگر ہم اپنی جماعت کی تنظیم کر لیں، باصلاحیت افراد کی قدر شناسی کر لیں اور انھیں ان کی صلاحیتوں کے مطابق میدان میں ڈال دیں تو آج بھی بغداد و بخارا اور قرطبہ وغرناطہ کے نظارے دیکھے جا سکتے ہیں۔ملکی فتوحات نہ سہی، علمی اور ذہنی فتوحات ضرور حاصل کی جا سکتی ہیں، قوم کو مزید پستی اور زبوں حالی میں جانے سے روکا جا سکتا ہے اور مذہب اسلام کے حوالے سے دشمن کی ریشہ دوانیوں اور ہتھکنڈوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

(صفحہ ۷۴ کا بقیہ)　خدمت خلق اور رفاہ عامہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور دینی فریضہ بھی کیونکہ آج پوری دنیا میں جہاں غربت و افلاس اور بدامنی و بے سکونی پھیلی ہے وہیں اسلام مخالف طاقتوں نے اسلام کو غلط طریقے سے لوگوں کے سامنے پیش کر کے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ اسلام ہمدردی و غم خواری کا مذہب نہیں بلکہ اسلام تشدد پسند مذہب ہے۔ایسے وقت میں ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہم سماجی خدمات اور رفاہی کاموں کے ذریعہ ہر ایک انسان کا تعاون کر کے اسلام کے تصور رفاہ کو پیش کریں جس کی بنا پر اس کا نظام دوسرے مذاہب کی نظام پر فوقیت رکھتا ہے اور اسلام کے صحیح رخ کو لوگوں کے سامنے لائیں اور انھیں بتائیں کہ اسلام کی نظر میں سماج کا ہر فرد ایک جیسا ہے اور ہر ایک کی پریشانی میں اسلام ہمدردی اور انسانیت کا درس دیتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خدمت خلق اور رفاہی کاموں کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

مولانا محمد عبداللہ رضوانی مرکزی☆

مضامین

اسلام میں رفاہی کاموں کا تصور

اسلام امن وسلامتی ،صلاح وفلاح ،ہمدردی وغم خواری، عیادت وتعزیت ،خدمت خلق اور رفاہ عامہ کا دین ہے۔ جہاں اسلام دیگر معاملات میں دوسرے مذاہب سے مقدم وممتاز ہے وہیں خدمت خلق اور رفاہی معاملے میں بھی مقدم واعلی ہے کیونکہ اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حسین مجموعہ کا نام ہے۔ جہاں اسلام اپنے ماننے والوں سے حقوق اللہ کی ادائیگی کا تقاضا کرتا ہے وہیں حقوق العباد کی ادائیگی پر بھی زور دیتا ہے، بلکہ اگر اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ایک چوتھائی حصہ عقائد وعبادات کا ہے مگر تین چوتھائی کا تعلق معاملات سے ہے اور رفاہی کاموں کا تصور در حقیقت حقوق العباد اور احترام انسانیت کے اسلامی فلسفے کی بنیاد ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ہم کتاب وسنت کے احکام یا عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے نظام کا مشاہدہ کریں تو اس میں رفاہ عامہ کے منصوبوں،عوامی فلاح وبہبود اور معاشرتی ،اصلاحی وفلاحی کاموں کے نمونے وافر مقدار میں ملتے نظر آئیں گے۔

قرآن میں رفاہی کاموں کا حکم :اللہ تعالی نے قرآن مقدس میں خدمت خلق اور رفاہ عامہ کے تصور کو اجاگر کرتے ہوئے کئی مقامات پر اپنے بندوں کو خدمت خلق کی ترغیب دلائی اور اس کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔

(۱)　قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ کے نیک اور محبوب بندوں کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

”وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ “ (الذاریات ۵۱،آیت:۱۹)۔

ترجمہ:اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔(کنزالایمان)

اس آیت میں سائل اور محروم دونوں سے مراد محتاج اور ضرورت مند ہیں۔فرق یہ ہے کہ سائل وہ ہے جو اپنی ضرورت کا اظہار کرکے دوسرے سے مدد کا خواست گار ہو اور محروم سے مراد وہ شخص ہے جو محتاج اور بے یار و مددگار ہونے کے باوجود حرف سوال زبان پر نہ لائے۔

ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل ثروت بندوں کے مالوں میں حقوق مقرر فرمایا ہے،جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں پسماندہ حضرات کا کتنا خیال رکھا گیا ہے۔

(۲)　ارشاد ربانی ہے:

”لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ“ (البقرہ۲،آیت:۱۷۷)

ترجمہ: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو،اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔(کنزالایمان)

یہ آیت کریمہ جہاں اسلامی عقائد وعبادات کا درس دیتی ہے وہیں معاشرتی فلاح وبہبود اور رفاہ عامہ کا عالمی پیغام دیتی ہے۔اس

☆　ریسرچ اسکالر- البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ،علی گڑھ(یو. پی)

آیت کریمہ کے مطابق اصل نیکی یہ ہے کہ انسان ایمانیات کے نتیجہ میں مال و دولت سے محبت و رغبت کے باوجود اسے معاشرتی اور رفاہی کاموں میں خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مقدسہ میں رشتہ داروں، غریبو ل، یتیموں، مسکینوں، مصیبت زدوں، لاچار لوگوں کے حق میں خرچ کر نے کی ترغیب فرما کر اسلام کے تصور رفاہ کو اجاگر فرمایا ہے۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے رفاہی امور کے لیے ایک مستقل نظام وضع فرمایا اور سماج و معاشرہ کے ہر پسماندہ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے ایک لائحہ عمل مقرر فرما کر اہل ثروت حضرات سے اس پہ عمل پیراں ہونے کا حکم فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے:

"اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْم" (التوبہ۹، آیت:۶۰)۔

ترجمہ: زکوٰۃ تو انھیں لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل (وصول) کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض دارں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں ہر قسم کے بے کس و مجبور اور محتاج و پریشان لوگوں کا ذکر کیا گیا اور ایسے لوگوں کے لیے جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے وہ اپنی جامعیت و استیعاب میں تاریخی عوامل کے تحت ہر زمانے میں رونما ہونے والے فقر و احتیاج اور بے کسی و بے چارگی پر حاوی ہے۔

ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو حاجت مند ہوں، معاشی و اقتصادی طور پر بالکل تباہ حال ہوں، جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہوں، تعلیم و علاج سے محروم ہوں یا سفر پہ قدرت نہ رکھتے ہوں یا دوران سفر اس قابل نہ رہے ہوں کہ آگے سفر کر سکیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ایسے لوگوں کے لیے اسلام کا بنیادی اصول مقرر فرمایا تا کہ حقداروں کے حقوق اور حاجت مندوں کی ضروریات کو لوگ انفرادی و اجتماعی سطح پر پوری کر سکیں۔

احادیث میں رفاہی کاموں کی ترغیب:

رفاہ عامہ اور خدمت خلق کے حوالے سے سیکڑوں احادیث ملتی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے سامنے رفاہی کاموں کی اہمیت کو واضح فرمایا اور انسانوں کی پریشانیاں دور کرنے، ان کے لیے سہولتیں فراہم کرنے اور ان کے کام آنے کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من نفس عن مومن کربة من کرب الدنیا نفس اللّٰہ عنہ کربة من کرب یوم القیامة و من یسر علی معسر یسر اللّٰہ علیہ فی الدنیا و الآخرة واللّٰہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ" (صحیح مسلم، ج:۲، ص:۵۸۱)

ترجمہ: جو شخص کسی مومن سے دنیا کی کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی تکلیف کا ازالہ فرمائے گا۔ جو شخص کسی مشکل میں پھنسے آدمی کو آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

اس حدیث پاک میں آپ نے لوگوں کو دوسروں کی بھلائی کرنے کی ترغیب دلائی اور اس کے ثواب کو بیان فرمایا۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے انسانوں کی خیر خواہی کرنے اور فائدہ پہنچانے والوں کو لوگوں میں سب سے بہتر شخص قرار دیا، آپ فرماتے ہیں: "خیر الناس من ینفع الناس" (کنز العمال، ج:۸، ص:۲۰۱)

ترجمہ: لوگوں میں بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

یہ حدیث اگر چہ کلمات کے اعتبار سے چھوٹی ہے لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے اپنے اندر سمندر کو سموئے ہوئے ہے۔ اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے جہاں رفاہی کاموں کی اہمیت کو واضح فرمایا وہیں یہ بھی درس دیا کہ مذہب اسلام میں خدمت خلق اور رفاہی کاموں کا دائرہ کسی ایک فرد یا چند جماعتوں کے ساتھ مختص نہیں بلکہ امت کے تمام افراد اپنی استطاعت کے مطابق اس کی انجام دہی

کے ذمہ دار ہیں۔ بعض حضرات سماجی کاموں اور رفاہی خدمات سے صرف بڑے بڑے کام مراد لیتے ہیں اور انکی ذمہ داری اصحاب ثروت کے سر ڈال دیتے ہیں، حالانکہ اسلام میں خدمت خلق کا دائرہ بہت وسیع ہے جس سے کوئی مستثنی نہیں۔ امیر ہو یا غریب، مالدار ہو یا مفلس ولاچار ہر کسی پر لازم ہے کہ وہ اپنے معاشرے کے ہر فرد کا بھلا چاہے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرے۔

(۳) حضورﷺ نے سماج و معاشرے کی ضروریات کے پیش نظر لوگوں کو نیک کام کرنے اور صدقہ وخیرات کرنے کا حکم فرمایا، تاکہ لوگوں کی ضروریات پوری ہو سکے۔ نسائی شریف کی حدیث ہے: ”عن سعد بن عبادہ قال یا رسول اللہ ﷺان ام سعد ما تت فای صدقۃافضل قال الماء فحفر بئرا و قال ھذہ لام سعد“ (نسائی، حدیث: ۳۶۴۴)

ترجمہ: سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہﷺ سے عرض کیا کہ ام سعد یعنی میری ماں کا م انتقال ہو گیا ہے ان کے لیے کون سا صدقہ بہتر ہے آپﷺ نے فرمایا پانی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھودوایا اور فرمایا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔

اس حدیث پاک میں اگر ہم غور کریں تو ہمارے سامنے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کا رفاہی نظریہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ اگر میرے آقاﷺ چاہتے تو کسی اور بھی چیز کے صدقہ کا حکم دے دیتے مگر آپ نے پانی کا حکم دیا کیوں کہ اس وقت معاشرے کو پانی کی حاجت تھی اور آپ کا اس کا حکم دینا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام ایک رفاہی ،فلاحی ،اصلاحی دین ہے جو معاشرے کی بھلائی اور خیر خواہی چاہتا ہے۔ اور اسلام میں سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو سماج کی ضرورت کے پیش نظر کیا جائے۔

رفاہی کام سیرت رسولﷺ کی روشنی میں:

جب ہم رفاہی کاموں کا جامع تصور اور وسیع دائرہ سامنے رکھ کر نبی کریمﷺ کی ذات گرامی اور رفاہی کاموں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے انسانوں اور دوسری مخلوقات کی جس قدر خدمت کی ،اور ان کی بھلائی کے لیے جتنی محنت و مشقت کی اور ان کے لیے تکلیفیں برداشت کیں ہیں دنیا کے کسی مصلح اور مربی نے اتنی خیر خواہی اور بھلائی نہیں کی ہے۔ آپ نے معاشرے کی فلاح و بہبود اور غربت وافلاس کے انسداد کے لیے صرف لوگوں کو رفاہی کاموں کے کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ آپ نے خود پہل فرمائی اور غریبوں، مسکینوں، حاجت مندوں، یتیموں کی مدد فرمائی، مظلوموں کی دادرسی فرمائی اور اس کے علاوہ بہت سے کاموں میں حصہ لیا۔ بلکہ آج امت مسلمہ میں خدمت خلق اور رفاہ عامہ کا جتنا کام ہو رہا ہے یہ سارا کام ہمارے آقاﷺ کی جامع تعلیمات کا پرتو ہے۔

نبی کریمﷺ کی سیرت میں خدمت خلق اور رفاہی کاموں کی جھلکیاں:

کعبۃ اللہ کی تعمیر میں حصہ لینا، حلف الفضول میں شرکت، مسجد قبا کی تعمیر، مسجد نبوی کی تعمیر، انصار ومہاجرین کے درمیان بھائی چارگی کا قیام، صفہ اور اصحاب صفہ کی خدمت، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے باغ لگانا، غزوہ خندق میں اصحاب کرام کی معاونت، مظلوموں کو حق دلانا، حاجت مندوں کی خدمت ،اپنی ضرورت پر دوسروں کو ترجیح دینا، اجتماعی کاموں میں شرکت ،مریضوں کی عیادت کرنا، مہمانوں کی خدمت کرنا، صحابہ کرام کی مالی ضرورتوں کا خیال رکھنا، معاشرتی باتوں کا لحاظ رکھنا وغیرہ۔ نبی اکرمﷺ کے رفاہی کام تاریخ میں مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں جو ہم غلاموں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

یوں ہی اگر ہم صحابہ کرام کی زندگی پر یا خلافت راشدہ، اموی ،عباسی ادوار کی سماجی خدمات پر نظر ڈالیں تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی رفاہی تعلیمات کیا ہیں۔ اور اسلام میں خدمت خلق کا کیا مقام ہے۔ اگر ہم یہ کہیں تو یہ بات بے جا نہ ہوگی کہ اتنی تعداد میں کفار ومشرکین کے اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے میں خدمت خلق کا کافی رہا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۴۴ رپر)

مولانا شاداب امجدی

مضامین

اسلامی کلینڈر-ضرورت واہمیت اور ہماری بے توجہی

تقویم اور کلینڈر کی انسانی نظام حیات میں لازم وملزوم کی حیثیت ہے، ہر شخص روز مرہ کی زندگی میں کلینڈر کا محتاج ہے، ماضی میں ہونے والے واقعات وحادثات یا داستانیں ہوں، چاہے موجودہ حالات کی منظر کشی ہو یا مستقبل کے عہد و میثاق، ہر تین زمانے کو محفوظ اور یاد رکھنے کے لیے تقویم یعنی کلینڈر کی ضرورت پڑتی ہے۔

تاریخ کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟

اس بارے میں علامہ بدرالدین عینی امام شعبی کی روایت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''جب زمین پر انسان کی آبادی وسیع ہونے لگی تو تاریخ کی ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے سے تاریخ شمار ہونے لگی، پھر طوفان نوح سے اس کی ابتدا ہوئی۔ پھر خلیل سے، پھر یوسف علیہ السلام کے مصر میں وزیر بننے سے، پھر موسیٰ علیہ السلام کے خروج مصر سے، پھر حضرت داؤد سے، ان کے بعد سلیمان علیہ السلام سے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے۔ اس کے بعد ہر قوم اپنے اپنے علاقہ میں کسی اہم واقعہ کو سن قرار دیتی تھی۔'' علامہ عینی مزید لکھتے ہیں:''جس طرح ہر قوم نے اپنی تاریخ کا مدار قومی واقعات وخصائص پر رکھا، اسی طرح اہل عرب نے بھی تاریخ کے لیے عظیم واقعات کو بنیاد بنایا، چنانچہ سب سے پہلے عرب نے حرب بسوس (یہ وہ مشہور جنگ ہے جو بکر بن وائل اور بنی ذہل کے درمیان ایک اونٹنی کی وجہ سے چالیس سال تک جاری رہی) سے تاریخ کی ابتدا کی۔ اس کے بعد جنگ داحس سے (جو محض گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے آگے نکل جانے پر بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان نصف صدی تک جاری رہی) پھر جنگ غبرا سے، پھر جنگ ذی قار سے، پھر جنگ فجار سے تاریخ کی ابتدا کی۔

اس کے بعد حضور ﷺ کے اسلاف میں سے ایک بزرگ کعب کے کسی واقعہ سے سال اور تاریخ کا حساب لگاتے رہے، پھر اصحاب فیل کے واقعہ سے، یہاں تک کہ عام الفیل کی اصطلاح ان کے یہاں رائج ہوئی۔'' (عمدۃ القاری، ج ۱۷،ص ۶۷، باب التاریخ من این ارخوا التاریخ، تتمہ مناقب الانصار)۔

لیکن یہ بات بھی واضح رہے کہ رومیوں اور یونانیوں کے دور بالخصوص سکندر اعظم کی فتوحات سے تاریخ کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے، جس نے دنیا کے اکثر ملکوں کے حالات کو اس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا کہ سلسلہ منقطع ہونے کی بہت کم نوبت آئی اور عام طور پر یہیں سے تاریخ زمانہ کی ابتدا سمجھی جاتی ہے۔

تقویم اور کلینڈر کی بنا تین چیزوں پر ہے۔(۱) چاند، (۲) سورج، (۳) ستارے۔

وکی پیڈیا کے مطابق پوری دنیا میں ۳۶/اقسام کے کلینڈر رائج ہیں جن کا مدار انہیں مذکورہ تین چیزوں پر ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مستعمل اور مشہور انگریزی (گیر گورئین/عیسوی) کلینڈر ہے۔ اس کے بعد اسلامی ہجری کلینڈر ہے۔ اس کے علاوہ بکری، نانک، شاہی، بنگالی، ایرانی اور بہت سے دوسرے کلینڈر الگ الگ خطوں میں رائج ہیں۔

اسلامی کلینڈر کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟

اس الٰہی تقویم کی بنیاد تو اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن آسمان وزمین کی تخلیق ہوئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ'' (سورہ توبہ:۳۶)۔

☆ استاذ- جامعہ احسن البرکات، مارہرہ شریف، ایٹہ (یو. پی)

بیشک گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں کتاب اللہ میں جس دن سے اس نے بنائے آسمان اور زمین۔ اس میں سے چار ماہ حرام ہیں۔

لیکن باضابطہ آغاز کب ہوا اس کا ذکر چند سطروں بعد آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''قبل اسلام بھی کفار کے درمیان چار مہینے (رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم) حرمت والے مانے جاتے تھے اور ان کے نزدیک بھی ان مہینوں میں جنگ وجدال ممنوع اور حرام تھا۔ مشرکین عرب لوٹ مار اور قتل وغارت گری کرنے والے لوگ تھے لہٰذا ان مہینوں میں قتال سے رکنا مشرکین عرب کے لیے بہت مشکل اور دشوار تھا، اس لیے انہیں جب محرم کے مہینے میں کسی سے لڑائی کی ضرورت پیش آتی تو وہ ''نسیٔ'' کر جاتے یعنی محرم کے مہینے کو مؤخر کر دیتے اور صفر کے مہینے کو محرم قرار دیتے اور اصل محرم کے مہینے میں قتال کر لیتے۔ اس طرح وہ ہر سال محرم کے مہینے کو ایک ماہ مؤخر کرتے رہے، (انہیں کے رد میں مذکورہ آیت نازل ہوئی) حتیٰ کہ جس سال نبی کریم ﷺ نے حج کیا اس سال گیارہ مرتبہ محرم کا مہینہ مؤخر ہو کر اپنی اصل ہیئت پر آ چکا تھا اس لیے آپ نے فرمایا: ''زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت پر آ چکا ہے، جس ہیئت پر وہ اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔ (تفسیر تبیان القرآن، ج۵، ص۱۳۳)۔

آیت مذکورہ سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ اسلامی کلینڈر کا وجود زمین وآسمان کی تخلیق کے ساتھ ہی ہے اور اس کی تفسیر سے یہ معلوم ہو گیا کہ درمیان میں ہونے والی گڑبڑی نبی کریم ﷺ کے حج والے سال ختم ہو گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باقاعدہ مروجہ ترتیب کے ساتھ اسلامی کلینڈر کب وجود میں آیا؟

اسلامی کلینڈر کی بنیاد:

گزشتہ زمانوں میں رائج تاریخوں کا جائزہ لینے کے بعد آیئے اہل اسلام میں رائج تاریخ کا جائزہ لیں، اسلامی کلینڈر یعنی ہجری تاریخ سے جس کو موسوم کیا جاتا ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے موجودہ مروجہ کلینڈر کو رائج کیا گیا۔

اس سلسلے میں کئی ایک روایتیں ملتی ہیں ان میں سے ایک جامع روایت یہ کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص نے دوسرے کے خلاف مقدمہ پیش کیا اور جو دستاویز پیش کیا اس میں لکھا تھا کہ ''شعبان میں اس پر قرض کی ادائیگی واجب ہوتی ہے'' حضرت عمر نے دستاویز پڑھ کر پوچھا؟ کون سا شعبان؟ رواں سال کا شعبان یا سالِ گزشتہ کا یا آنے والے سال کا شعبان؟

اس معاملے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی مجلس مشاورت منعقد کی کہ ایک ایسی تاریخ بنائی جائے کہ جس سے قرض اور دیگر بہت سارے امور میں آسانی پیدا ہو۔ بعض صحابہ کا مشورہ تھا کہ اہل فارس کی طرح تاریخ بنالی جائے لیکن دیگر صحابہ نے اس کو اس لیے رجیکٹ کر دیا کہ اہل فارس اپنے بادشاہوں سے تاریخ کو شمار کرتے ہیں اور بادشاہوں کی تجدید کے ساتھ تاریخ کی بھی تجدید ہوتی ہے۔ بعض صحابہ نے اہل روم کی تاریخ کا مشورہ دیا، لیکن اسے بھی صحابہ نے قبول نہ کیا کہ اہل روم کی تاریخ کا آغاز سکندر بن فیلبس مقدومی (سکندر اعظم) سے تھا اور اہل اسلام کے لیے یہ ناپسند تھا۔ پھر بعض صحابہ نے ولادت رسول سے تاریخ کے آغاز کی رائے دی تو بعض نے بعثت سے اور بعض نے ہجرت سے ابتدا کا مشورہ دیا تو بعض نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کہا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت رسول سے تاریخ کے آغاز کو پسند فرمایا کیوں کہ وہ زیادہ ظاہر ومشہور ہے اور تمام صحابہ نے بھی اسی پر اتفاق کر لیا۔ (البدایہ والنهایه، ج۳، ص ۲۰۶، و قائع السنة للأولیٰ من الهجرة)۔

اور یہ واقعہ باختلاف روایات سولہ، سترہ یا اٹھارہ ہجری کا ہے۔

اس کے علاوہ تقریباً تین اور روایتیں ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے صحابۂ کرام کے مشورہ سے ہجرت کو

اسلامی تاریخ کی بنیاد بنایا لہٰذا اس کا سہرا حضرت عمر کے سر بندھتا ہے۔

امام سیوطی نے حضرت عمر کی اولیات میں جہاں اور چیزوں کو شمار کیا ہے وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ہی اوّل شخص ہیں جنھوں نے ہجرت سے تاریخ مقرر کی۔ (تاریخ الخلفاء، مترجم، ص ۲۱۶)۔

ہجری کلینڈر موافق فطرت اور غیر متبدل:

اختلاف لیل ونہار اور گردش قمر سے سال و مہینے کا جو فطری نظام ہے ہجری سن بالکل اس کے مطابق ہے، قمری سال حقیقی سال ہوتا ہے، جب چاند زمین کے گرد ایک چکر مکمل کر لے تو مہینہ اور بارہ چکر مکمل کر لے تو سال پورا ہوتا ہے۔ حالانکہ عیسوی سن میں ایسا کچھ استقلال نہیں۔ عیسوی سال میں ۳۶۵ ر دن اور تقریباً چھ گھنٹے ہوتے ہیں گویا آخری دن ربع کے اختتام پر ہی سال مکمل ہو جاتا ہے اور دن کا ۳/۴ حصہ اگلے سال میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس طرح بلا منزل بیچ دن ہی میں سال کا اختتام ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصحیح کے لیے ہر چوتھے سال فروری ۲۹ ر دن لیپ سال (جس سال فروری ۲۹ ر دن کا ہو تو یہ سال لیپ سال ہوتا ہے) ہر صدی کا آخری سال عدم لیپ اور ہر چار صدی کا آخری لیپ شمار کیا جاتا ہے۔ اور ہر چالیس ہزار سال بعد لیپ کا شمار نہیں ہوتا۔ (جواہر تقویم ص ۲، از ضیاء الدین لاہوری)۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اب سمجھیں کہ عیسوی کلینڈر میں اتنا جھمیلا کرتے رہیں تب تبدیلی کی تو ضرورت نہیں۔ لیکن پھر بھی سال کا آخری دن ربع مکمل ہوتے ہی سال پورا ہو جاتا ہے حالاں کہ ابھی دن کا ایک تہائی حصہ باقی رہتا ہے۔ لیکن یہاں تک پہنچنے کے لیے بھی صدیاں بیت گئیں۔ وکی پیڈیا کے مطابق ۴۵ ر قبل مسیح میں روم کے بادشاہ ''جولیس سیزر'' نے کلینڈروں کی اصلاحات کے لیے ایک کمیشن قائم کیا، جس نے فیصلہ کیا کہ ہر چار سال میں سے ایک سال ۳۶۶ ر دنوں کا کیا جائے اسی لیے اس کے دور میں (۴۶ ق م) ۹۰ دن کا اضافہ کیا گیا تا کہ زرعی موسموں کا بہتر انتظام ہو سکے، یہ وہ سال تھا جب سال ۴۴۵ دن کا ہوا۔ جولیس سیزر کی موت کے بعد ہر چار سال کے بعد ایک دن کا اضافہ کرنے کے بجائے یہ اضافہ ہر تین سال کے بعد کیا جانے لگا۔ اس طرح ایک بار پھر رومن کلینڈر موسموں سے آگے بھاگنے لگا۔

یہ مسئلہ جولیس سیزر کے بعد آنے والے بادشاہ ''آگسٹیس سیزر'' نے ۸ ر قبل مسیح میں حل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے لیپ کے تین سالوں کو اسکِپ کیا یا یوں کہیے کہ ان پر سے چھلانگ لگا کر ان کو پیچھے چھوڑا اور اس طرح سے یہ سال سولہویں صدی تک چلتا رہا۔ (یہی وجہ ہے کہ کلینڈر کے مہینوں میں آج تک جولیس سیزر اور آگسٹس سیزر کو بالترتیب ''جولائی'' اور ''اگست'' کی صورت میں یاد رکھا جاتا ہے)۔

اس طویل عرصے میں سورج کی گردش کے دورانیے میں بھی فرق پڑا تھا اس لیے ۱۶ ر ویں صدی میں ''پاپ گریگوری'' نے آخری تبدیلی کر کے اس مسئلے کو بھی حل کیا اور موجودہ عیسوی کلینڈر اسی آخری تبدیلی کا نتیجہ ہے، اسی لیے اس کو ''پاپ گریگورین کلینڈر'' بھی کہا جاتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ صدیوں کی تبدیلی کے بعد عیسوی کلینڈر ایک مستقل کلینڈر تو بن گیا مگر مہینوں کے ساتھ ۲۸ ر کبھی تو کبھی ۲۹ ر کا عیب باقی رہ گیا۔

اس کے برعکس قمری تقویم کا جائزہ لیں تو اس میں کبھی اس قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اور نہ ہی ممکن ہے۔ عیسوی کلینڈر کے متعلق مذکورہ تفصیل لکھنے کی وجہ بھی یہی ہے تا کہ اس کے برعکس قمری کلینڈر کی جامعیت خوب واضح ہو جائے۔

پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں: ''بارہ قمری مہینوں میں سال کی یہ تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں تا کہ اس میں ردو بدل کی گنجائش ہو بلکہ خالق ارض وسما نے یہ محکم نظام روزِ ازل سے قائم فرمایا ہے اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیش نظر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۸۷۳)۔

اسلامی کلینڈر کی شرعی حیثیت فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں:

امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سے ایسے اجارہ کے بارے میں سوال ہوا جس میں قمری یا شمسی ماہ کا ذکر نہ کیا گیا تھا اور معاملہ ایک دینی مکتب کے مدرس کا تھا۔

اعلیٰ حضرت نے ''يسئلونك عن الأهلة...... الآية '' (البقرۃ) والی آیت کریمہ سے جواب کا آغاز کیا اور اس کی تفسیر یوں بیان فرمائی ''آیہ کریمہ شاہد ہے کہ اہل اسلام کے یہاں صرف

عبادات بلکہ معاملات میں بھی یہی قمری مہینے معتبر ہیں''۔

پھر ''إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ'' (سورہ توبہ:۳٦) آیت کریمہ نقل کرنے کے بعد اس کی تفسیر میں رقم طراز ہوئے ''یہ آیت ارشاد فرماتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہی بارہ مہینے قمری ہلال عربی معتبر ہیں کہ چار ماہ حرام انہی مہینوں میں ہیں۔تو اہل اسلام کو انہی کا اعتبار چاہیے،شرع مطہرہ کے سب احکام و معاملات انہی پر مبنی ہیں۔''

آگے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں کہ:

نسفی میں ہے ''المراد بيان ان احكام الشرع تبتني على الشهور القمرية المحسوبة بالأهلة دون الشمسية'' (مدارك التنزيل، تحت هذه الدنية)۔

مراد یہ ہے کہ شرعی احکام قمری مہینوں پر مبنی ہیں جو چاند کے حساب سے ہوتے ہیں شمسی مہینوں پر نہیں۔

اعلیٰ حضرت آگے لکھتے ہیں ''ولہٰذا بحمد اللہ اب تک عامہ مسلمین اپنے عامہ امور میں انہی مشہور (مہینوں) کو جانتے،انہی پر مدار کار رکھتے ہیں کہ ان کے رب کے نزدیک مہینے یہی ہیں۔بلکہ حقیقۃً مہینہ کا لفظ انہی پر صادق،مہینہ منسوب بماہ ہے،شہر شمسی مہینہ نہیں مہر ینہ ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے تک عام مسلمانوں میں قمری تاریخ کا رواج اور چلن تھا مگر افسوس کہ اب حالات بہت مختلف ہو گئے عام مسلمان تو کجا خواص بھی اب قمری تاریخوں سے چشم پوشی کرتے ہیں حالاں کہ ہمیں چاہیے کہ اپنے سارے امور بالخصوص دینی اور مذہبی شعبوں میں قمری ماہ کا ہی اعتبار رکھیں کہ ہمارے رب کے نزدیک یہی مہینہ ہے اور حقیقۃً بھی مہینہ منسوب بماہ کا لفظ انہی پر صادق ہے۔ہاں وہ دنیاوی امور کہ جن میں شمسی مہینے کا عرف وتعامل ہے تو وہ بھی عندالشرع ممنوع نہیں۔

اعلیٰ حضرت مزید لکھتے ہیں:''بلکہ تفسیر کبیر زیر آیۃ کریمہ ''إنما النسئ زيادة'' (التوبہ:۳۷) ہے۔

''اللّٰه تعالىٰ امرهم من وقت ابراهيم و اسمٰعيل عليهما الصلاة و السلام ببناء الامر علىٰ رعاية السنة القمرية فهم تركوا امر اللّٰه تعالىٰ فى رعاية السنة القمرية و اعتبروا السنة الشمسية رعاية لمصالح الدنيا ''۔(مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)،ج۱٦،ص۵٦،المطبعۃ البہیۃ المصریہ مصر)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے زمانہ میں قمری سال پر اپنے امور کی بنا کا حکم دیا تو انہوں نے قمری سال کی رعایت کے حکم باری تعالیٰ کو ترک کیا اور دنیاوی مصلحتوں کے چکر میں شمسی سال کا اعتبار کرنے لگے۔

تفسیر کبیر کی اس عبارت سے اعلیٰ حضرت نے دو باتوں کی طرف نشان دہی فرمائی ہے(۱) پہلی تو یہ کہ قمری مہینوں کا اعتبار حکم الٰہی کے مقتضیٰ کے مطابق ہے لہٰذا ہمیں حکم الٰہی کی اتباع ضروری ہے۔(۲) دوسری بات یہ کہ قمری مہینوں کا استعمال نہ کرنا مذموم ہے جیسا کہ عہد ابراہیمی میں لوگوں کے ترک کو مقام ذم میں بیان کیا گیا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے تفسیر کبیر کی فیصلہ کن عبارت نقل فرمائی جس سے ہر خاص و عام پر قمری کلینڈر کی شرعی حیثیت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

لکھتے ہیں: بلکہ اسی میں ہے:''قال اهل العلم الواجب على المسلمين بحكم هذه الاية ان يعتبروا فى بيوعهم و مد ديونهم و احوال زكوٰتهم و سائر احكام مهم السنة العربية بالأهلة و لا يجوز لهم اعتبار السنة العجمية و الرومية''۔(ایضا)

اہل علم نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ ''إنما النسئ زيادة'' (التوبہ:۳۷) کے حکم پر مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے کاروبار،لین دین،زکوٰۃ اور تمام احکام میں عربی قمری سال کا اعتبار کریں اور ان کو عجمی اور رومی سال کا اعتبار جائز نہیں۔(فتاویٰ رضویہ کے مذکورہ تمام اقتباسات،جلد۱۹،ص۴۴۷ تا ص۴۴۹ سے منقول ہیں)۔

ہماری کوتاہیاں اور اس کا تدارک:

اسلامی کلینڈر یعنی قمری تاریخوں کے اعتبار کے تعلق سے جب ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ موجودہ مغرب زدہ ماحول میں عوام الناس نے تو قمری تاریخ اور مہینہ بلکہ

سال کو بھی بھلا دیا ہے اور صرف عوام ہی نہیں بلکہ بہت سے طلبہ اور علما کو بھی قمری ماہ و تاریخ یاد نہیں رہتی جو ہم سب کے لیے باعث تشویش ہے۔

بلکہ میری اس تحریر کا محرک بھی کچھ یہی ہے۔ ہوا یوں کہ طلبہ کے ششماہی امتحان کا پہلا دن تھا اور پہلے دن اور اس تاریخ کا انتظار تو طلبہ کو یوں بھی زیادہ رہتا ہے۔ مگر افسوس اس وقت ہوا جب کاپی پر قمری تاریخ درج کرنے کے لیے ایک ہی کمرے میں تقریباً چار یا پانچ طلبہ نے پوچھ لیا کہ آج عربی تاریخ کتنی ہے؟

ایسے ہی ۱۴۴۱ھ کے آغاز پر میں نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ کون سا سال شروع ہوا؟ تو جواب ملا ۱۴۳۶ھ۔

آپ اندازہ لگائیں کہ ہم نے اسلامی الٰہی تقویم کے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے یہ جملے پڑھیں جس کو آپ نے گزشتہ صفحات پر گزرے فتوے کے آخر میں لکھا ہے کہ ''بالغرض مان بھی لیا جائے کہ یہاں مسلمان میں شہور شمسیہ (شمسی مہینے) بھی رواج پا گئے، تاہم اس میں کلام نہیں کہ مدرسان علوم عربیہ دینیہ کا تقرر عام طور پر انہی شہور الہیہ ہلالیہ (قمری مہینوں) پر متعارف ہے کہ وہ خاص دینی کام ہے۔ اور عام مسلمین پر بحمد اللہ ہنوز اتباع نصاریٰ ایسا غالب نہ ہوا کہ اپنے دینی امور میں بھی ان کی تقلید کریں، تو اس تقرر میں قطعاً شہور ربانیہ (قمری مہینے) ہی معتبر ہوں گے نہ کہ شہور نصرانیہ، کمالا یخفیٰ علی اولی النھیٰ''۔ (فتاوی رضویہ، ج ۱۹، ص ۴۵۱)۔

یوں ہی غور کریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل پر بھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اسلامی تاریخ اور کلینڈر کی بنیاد ڈالی اس دور میں مختلف تواریخ مختلف اقوام میں رائج تھیں مگر اس کے باوجود حضرات صحابہ نے ایسا نہیں کیا کہ ان مروجہ تواریخ میں سے کسی کو اپنا لیا ہو بلکہ مستقل طور پر مشورہ کر کے ایک اسلامی تاریخ کی بنیاد ڈالی اور رواج دیا۔

اس میں اشارہ اور پیغام ہے کہ اسلام اپنے ہر معاملہ میں ایک تشخص رکھتا ہے اور اس کا ایک امتیاز اور ایک خصوصیت ہے، وہ ہر جگہ اپنے اس امتیاز و تشخص کو باقی و برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

اس عدم التفات اور کوتاہی کے اسباب پر جب ہم غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اس عدم التفات کی عمر کوئی بہت طویل نہیں ہے۔ میرے گمان کے مطابق زیادہ سے زیادہ تیس سے چالیس سال ہوگی۔ کیوں کہ آج بھی ہم بزرگ علما کو دیکھتے ہیں کہ وہ اب بھی قمری تقویم ہی کا اعتبار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ ماضی میں اساتذہ مشقی کاپیوں پر اور علما دیگر تمام امور میں اور تمام طرح کے دستاویزوں پر دستخط کے ساتھ قمری تاریخ لکھتے تھے اور طلبہ کو بھی تاکید کرتے تھے۔ اس لیے علما و اساتذہ کے ساتھ طلبہ بھی قمری تاریخ یاد رکھتے تھے اور آج بھی بعض علما و اساتذہ کی صورت میں ان اسلاف کے مظاہر موجود ہیں۔ مگر یہ عادتِ کریمہ موجودہ دور کے اکثر مدرسین میں مفقود ہے جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ نہ مدرسین کو تاریخ یاد نہ طلبہ کو۔

لہٰذا اگر اسلامی کلینڈر کا احیا اور ترویج چاہتے ہیں تو مدرسین اس کا التزام کر لیں، طلبہ خود ان کی اتباع کریں گے۔

بعض قمری مہینوں کے تلفظ اور املا میں ہونے والی غلطیوں کی اصلاح:

بعض قمری مہینوں کے نام لکھنے میں اور اس کے تلفظ میں عموماً لوگ غلطیاں کرتے ہیں۔ مثلاً پانچواں اور چھٹا مہینہ ''جمادی الاولیٰ'' اور ''جمادی الآخرۃ'' ہے۔ اس کے تلفظ میں غلطی یہ ہوتی ہے کہ عموماً لوگ جیم کے فتحہ کے ساتھ بولتے ہیں جو غلط ہے۔ اس لیے کہ جماد (جیم کے فتح کے ساتھ) کا معنی وہ چیز جس کے اندر حیات نہ ہو (معجم الرائد) جو یہاں پر درست نہیں کیوں کہ تفسیر ابن کثیر میں آیۂ کریمہ ''ان عدۃ الشھور...... الآیۃ'' کے تحت ہے: ''جمادیٰ: سمی بذلك لجمود الماء فیه کہ اس کا نام ''جُمادیٰ'' اس لیے رکھا گیا کہ اس مہینے میں پانی جم جاتا تھا (ٹھنڈک کی وجہ سے)۔

یوں ہی ''جمادی'' میں دال کو زیر کے ساتھ پڑھنا بھی درست نہیں۔ اس کو لکھنے میں غلطی یہ ہوتی ہے کہ اس کو ''جمادی الاول'' اور ''جمادی الثانی'' لکھا جاتا ہے جب کہ لفظ ''جُمادیٰ'' مؤنث موصوف ہے اور ''الاول'' یا ''الثانی'' مذکر ہیں اور اس کی صفت ہیں۔ اور نحو کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ موصوف اور صفت میں باعتبار تذکیر و تانیث مطابقت ضروری ہے اور مذکورہ طریقے سے (جمادی الاول، الثانی) لکھنے میں مطابقت مفقود ہے لہٰذا اس طرح لکھنا بھی غلط ہے۔ (بقیہ صفحہ ۶۸ پر)

مولانا غلام سید علی علیمی علیگ

مضامین

کیا عالم گیر وباؤں میں انسان وہیں ہے جہاں صدیوں پہلے تھا؟

''معلوم تاریخ کی سب سے بھیانک وبا، جس نے معلوم دنیا کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں بھی اقلیتی فرقہ کو وبا پھیلانے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا، صحیح بات ہے تاریخ خود کو دہراتی ہے۔''

اکتوبر ۱۳۴۷ء کو اٹلی کے جزیرہ سسلی کے عروس البلاد مسینا کی بندگاہ پر بارہ تجارتی جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں، مزدور اور دیگر متعلقہ لوگ دوڑ کر آئے، لیکن جہاز میں کچھ ہلچل نہیں، کسی کی آواز نہیں، کوئی بات چیت نہیں، موت کا سناٹا پسرا ہوا ہے، لوگوں کا اشتیاق بڑھا، دوڑتے ہوئے، جہازوں کے قریب آنے لگے، جیسے جیسے قریب ہوئے، عجیب قسم کی بدبو محسوس ہونے لگی، لوگوں نے دیکھا اور غالباً کچھ لوگ دیکھ کر ہی چکرا گئے ہوں گے۔ ایک ہولناک منظر۔ تمام جہازوں میں موجود اکثر لوگ مر چکے تھے۔۔ان کا بدن سیاہ ہو چکا۔ بدن پر بڑے بڑے پھوڑوں کی شکل میں گلٹیاں پڑیں تھی۔ ان سے گندہ خون رِس رہا تھا۔

کچھ لوگ زندہ بھی تھے، لیکن زندہ کیا؟ درد سے کراہ رہے تھے، ان کے بھی بدن پر ان عجیب وغریب اور ہولناک پھوڑوں یا گلٹیوں کا بستر بچھا ہوا تھا، جن سے پیپ اور خون بہہ رہے تھے، وہ سسک رہے تھے تڑپ رہے تھے۔

یہ خبر جنگل کے آگ کی طرح پھیل گئی، سسلی کے حکام نے فوراً جہازوں کو بندرگاہ سے دور کرنے حکم دیا، لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی، آئندہ پانچ برسوں میں سیاہ موت صرف یورپ میں دو کروڑ سے زیادہ لوگوں کی جان لینے والی تھی، برّ اعظم کی کل آبادی کے تقریباً ایک تہائی حصے کی۔[History.com]

غالباً معلوم دنیا کی یہ پہلی وبا تھی جس نے پوری دنیا کو اپنے چپیٹ میں لیا تھا، یورپ پہنچنے سے کئی سال پہلے ہی سے یہ چین، ہندوستان، شام، مصر اور ایشیا کے دیگر کئی ممالک میں تباہی مچا رہا تھا۔ معلوم تاریخ کی یہ سب سے بھیانک بیماری ہے، اس میں دو سو ملین (یعنی بیس کروڑ) جانیں گئیں، اس نے پوری دنیا کی آبادیات کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔

ابتدا اور پھیلاؤ:

The black death the great mortality of 1348-1350 کے مصنف نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے :

''سال ۱۳۴۷ء کے ختم ہوتے ہوتے، ایک بیماری جسے بعد میں سیاہ موت کہا جاتا تھا، تجارتی کشتیوں کے واسطے سے سسلی، اٹلی اور جنوبی فرانس کے اکثر حصوں میں پہونچی۔ یہ بیماری غالباً، سلطنت منگول کے دل، وسط ایشیا سے شروع ہوئی، اور بحرِ اسود کے شمالی ساحل پر کریمیا کے خطے تک تجارتی راستوں سے ہو کر مغرب میں پھیلی، جہاں شاید اس کا پہلی بار یورپ والوں سے رابطہ ہوا، جن میں اکثر اطالوی تاجر تھے، لیکن زیادہ تر یورپین کے لیے طاعون کی دہشت کا تجربہ ۱۳۴۸ء میں ہوا، جب اس بیماری نے اٹلی، فرانس، اسپین اور بلقان سے ہوتے ہوئے سویزرلینڈ، آسٹریلیا، انگلینڈ اور غالباً ڈنمارک پر حملہ کیا۔ مشرقی بحیرہ روم میں بھی لگتا ہے کہ طاعون نے اسی طرح تعاقب کیا، پہلے ۱۳۴۷ء کے ختم ہوتے ہوتے ''مصر'' آیا، جہاں پر مشرقی وسطی کی سب بڑی بندرگاہ تھی، اور پھر ۱۳۴۸ء کے موسم بہار اور موسم گرما تک شمال کی جانب فلسطین اور شام میں پھیل گیا، اس کے بعد ۱۳۴۹ء اور ۱۳۵۰ء میں طاعون پورے جرمنی، مشرقی یورپ اور ترائی ممالک میں، برطانیہ کے تمام جزیروں میں اور تمام اسکینڈی نیویائی ممالک

☆ دارالعلوم مدینۃ العربیہ، دوست پور، سلطان پور (یو. پی)

میں پھیل گیا۔طاعون آخر کار ۱۳۵۲ء میں (غالبًا سویڈن کے راستے سے) روس پہنچا۔[The Black Death...Perface]

احمد بن علی مقریزی (۸۴۵ھ) نے اپنی کتاب "السلوك لمعرفة دول الملوك" میں طاعون عظیم کے سفر کی روداد یوں بتائی ہے کہ منگولوں کے شہر سے شروع ہوا، اور تمام مشرقی مما لک اور ازبک، استنبول اور روم کے تمام شہروں میں پھیل گیا، انھیں برباد و ویران کرنے کے بعد انطاقیہ میں داخل ہوا اور اسے بھی ویران کیا، یہ وبا قرمان و قیصریہ کے تمام شہروں، تمام پہاڑوں میں عام ہوگئی، سیس کے شہروں میں بہت موتیں ہوئیں، اور اہل تکفور میں سے ایک ہی دن میں ایک ہی جگہ پر ایک سو اسی لوگ مر گئے، اس بلا سے اہل چین میں کچھ ہی بچ پائے، ہندوستانی مما لک میں چین سے بھی زیادہ موتیں ہوئیں، بغداد میں بھی یہ وبا آئی، اس طرح کہ ایک انسان صبح کو اٹھتا اور دیکھتا کہ اس کا چہرا سوجا ہوا ہے، قبل اس کے وہ اپنا ہاتھ اپنے چہرے تک پہونچاتا، اس کی جان نکل جاتی اور وہ زمین پر مردہ پڑ جاتا۔ یہ وبا پھر حلب پہونچتی ہے اور ملک شام، اور ماردین کے اکثر شہروں میں پھیل جاتی ہے، اہل غور، سواحل عکا و صفد، بلاد قدس، نابلس، کرک، عربان میں موت کا سناٹا پھیلاتی ہے، قطا کے باشندوں کو مارتی ہے، یہاں تک صرف والی شہر اس کے دو غلام اور بوڑھی باندی بچتے ہیں، فرنگیوں کے مما لک میں بھی عام ہوتی ہے، افریقہ میں بھی بہت موتیں ہوئیں ۔[ماخوذ از السلوک لمعرفۃ دول الملوک ج۴ص۸۱-۸۴]

قیامت کی ہولنا کی

ابنِ خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے : ''مشرق و مغرب کے تمدن میں آٹھویں صدی (ہجری) کے وسط میں مہلک طاعون پھوٹ پڑا جس نے قوموں کی قومیں تباہ کر دیں اور بہت سے خاندانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور آبادی کے محاسن و کمالات روند ڈالے اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا حکومتوں پر یہ آسمانی آفت ان کے بڑھاپے میں ٹوٹی جب کہ وہ اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ چکی تھیں، اس نے ان کے سائے سمیٹ لیے، ان کی طاقت توڑ دی ان کا اقتدار کمزور کر دیا، ان کے پاس مال نہیں رہا اور وہ قلاش و کنگال ہو گئے، طاعون نے لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر آبادیاں اُجاڑ دیں اور شہر سنسان ہو گئے، کارخانے اُجڑ گئے راستے اور راستوں کے نشانات مٹ گئے، مکانات مکینوں سے خالی رہ گئے اور قبیلوں اور مملکتوں میں کمزوری پیدا ہوگئی اور رہنے والے بدل گئے، مشرق میں بھی مغرب کی طرح یہی وبا اپنی آبادی کی مقدار میں پھوٹ پڑی، گویا جب زبان مشیت نے عالم کو فنا کرنے کا اور سمیٹنے کا اعلان کیا تو فوراً دنیا نے اس اعلان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور اللہ ہی زمین کا اور زمین والوں کا وارث ہے۔[مقدمہ ابن خلدون حصہ اول ص ۱۴۲/اردو ترجمہ از مولانا راغب رحمانی)۔

یرسینیا پیسٹس (Yersina pestis) نامی جرثومہ کے سبب پھیلنے والا یہ مرض اتنا خطرناک تھا کہ جس کو لگا اس کے زندہ بچنے کی امید صرف پانچ فیصد رہ جاتی تھی، کچھ لوگوں کو شدید بخار، قے، نا قابلِ برداشت سر درد، کمر درد ہوتا اور وہ درد کے مارے تڑپ تڑپ کر مر جاتے، کچھ لوگوں کو سوجن ہوتی، گردن، ران اور بغلوں میں پھوڑے بن جاتے، جس کی وجہ بے انتہا اذیت سے گزرنا پڑتا، اور ایسا بھی ہوتا کہ بعض لوگوں کو جیسے ہی طاعون کا شکار ہوتے، فوراً مر جاتے۔

احمد بن علی مقریزی لکھتے ہیں: ''یہ وبا کوئی عام وبا نہیں تھی کہ کسی ایک ملک میں ہو اور دوسرے میں نہ ہو، بلکہ پوری دنیا کے مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے تمام مما لک میں پھیلی ہوئی تھی، ہر طرح کے تمام انسانوں میں، یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیوں، آسمان کے پرندوں، اور خشکی کے وحشی جانوروں میں۔[السلوک لمعرفۃ دول الملوک جلد۴ص۸۱]

یورپ میں لوگوں پر اس کا خوف اس قدر طاری ہو گیا تھا کہ مرض لگنے سے بچنے کے لیے ڈاکٹروں نے مریضوں کا علاج کرنے سے انکار کر دیا، پادریوں نے تدفین کی آخری رسومات ادا کرنے سے معذرت کر لی، اور دوکان داروں نے اپنی دکانیں بند کر دیں۔[Britannica.com]

اس وبا نے ایسا قہر برپا کیا تھا کہ اٹلی کے شہر فلورنس سے تعلق رکھنے والا، نشاۃ ثانیہ کا عظیم شاعر پیٹری یارچ شبہ ظاہر کرنے لگا کہ اگر ہماری بربادی کی داستانیں سنائی جائیں گی تو اگلی نسل اسے

حقیقت کے بجائے دیو مالائی افسانہ گمان کرے گی، وہ لکھتا ہے:

''آنے والی نسلیں خوش قسمت ہیں! جو اس طرح کی المناک اور بڑی آفت کا سامنا نہیں کریں گی اور ہماری سچی باتوں کو افسانہ سمجھیں گی۔''

فلورنس کے ہی ایک کالم نگار نے ان حالات کو اس طرح بیان کیا جس کے بارے پیٹری یارچ سوچتا تھا کہ آنے والی نسلیں جھوٹ سمجھیں گی:

''تمام شہریوں نے مردوں کو دفنانے کے علاوہ شاید ہی کسی کام کے لیے وقت پایا ہو۔ ہر قبرستان میں تقریباً سطح آب تک گڑھے کھودتے تھے اور جو بے چارے غریب رات میں مرتے ان کا جلدی سے گٹھر بنایا جاتا اور گڑھے میں پھینک دیا جاتا، صبح کے وقت جب بہت سے مردے اس میں ہو جاتے تو پھاوڑے سے ان کے اوپر مٹی ڈال دیتے اور پھر دوسرے مردوں کو ان کے اوپر ڈالا جاتا پھر مٹی ڈال کر زمین کی دوسری پرت بنائی جاتی پھر دوسروں کو ان کے اوپر ڈالا جاتا، اور پھر زمین کی ایک اور پرت۔۔اسی طرح سے پرت در پرت۔ جیسے پنیر اور پاستا کی پرتوں سے لسانیہ (lasagne) بنایا جاتا ہے۔

مورخ اولے جے بنی ڈکٹو (Ole J. Benedictow) نے اٹلی کے ایک اور اخبار کے حوالے سے لکھا ہے:

''شہر سینا کی بہت سی جگہوں پر بڑے بڑے گڑھے کھودے جاتے، لاشوں کی کئی پرت اس میں بھری جاتی۔ کچھ لاشوں کا یہ حال تھا کہ وہ اتنے اوپر دفن کیے جاتے کہ کتے انھیں آسانی سے باہر کھینچ لاتے اور پورے شہر میں بہت سی لاشوں کو نوچتے پھرتے۔

[Historytody.com]

یہی حال دنیا کے دوسرے ممالک کا بھی تھا، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ سن ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) کے ہریالی کے آخری ایام اور فصل خریف میں اس وبا کی شروعات ہو چکی تھی، اور ماہ محرم ۷۴۹ھ آتے آتے پورے ملک (مصر) میں پھیل گئی، ماہ شعبان، رمضان اور شوال مصر کے لیے شدید ہوئے اور ذوالقعدہ کے نصف میں قاہرہ، مصر میں ہر دن دس، پندرہ یا بیس ہزار لوگوں کی موت ہوئی، لوگ تابوت اور بینچ سے بلا اجر مردوں کو نہلانے کا کام لیا، زیادہ تر مردوں کو لکڑیوں کے پٹروں، سیڑھیوں اور دروازوں کے پاٹ پر لے جایا گیا، بہت سے گڈھے کھودے جاتے اور مردوں کو اس میں ڈال دیا جاتا، اور ایک گڈھے میں تیس، چالیس یا اس سے زیادہ مردوں کو دفن کیا جاتا۔

[السلوک لمعرفۃ دول الملوک جلد ۴ ص ۸۰۔۸۱]

چودہویں صدی عیسوی کی سیاہ موت اور اکیسویں صدی کی کویڈ۔۱۹ (Covid.19): کچھ مماثلتیں:

آج ہمارے پاس طاعون کی دوائیں موجود ہیں لیکن اس وقت بالکل ایسے ہی اس کی کوئی دوا نہیں تھی جس طرح ہمارے پاس کویڈ۔۱۹ کے لیے ابھی تک کوئی دوا نہیں ہے، تو لوگوں کے پاس احتیاط اور مریضوں سے دوری رکھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، اسی طاعون عظیم کے وقت "جسمانی دوری "اور" قرنطینہ " کو وبائی مرض کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے سب سے پہلے باضابطہ قانونی شکل دی گئی، لیکن وبائی مرض کے بارے میں یہ طریقہ احتیاط پہلے ہی موجود تھا، اور لوگ اس پر عمل بھی کرتے تھے، جیسا کہ طاعون کے ہی بارے میں آٹھویں صدی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کا واقعہ مشہور و معروف ہے، علاوہ ازیں رسول کریم ﷺ نے وبائی علاقوں سے دور رہنے کی ہدایت دی، اسی طرح جذامی سے جسمانی دوری (Physical Distance) بنائے رکھنے کی بھی ہدایت دی۔

۱- یورپ میں قرنطینہ (quarantine) کی کھوج؟

اطالوی لفظ quarantino سے بنا ہے جس کا معنی چالیس دن کا وقت ہوتا ہے، بحیرہ ایڈریٹک کے بندرگاہی شہر راگوسا (موجودہ ڈبرونک) میں چودہویں صدی میں سیاہ موت (گلٹی والے طاعون) کی بھاری تباہی کے وقت ایک قانون منظور کیا گیا، جس کے مطابق شہر میں آنے والے تمام جہازوں اور تجارتی قافلوں کے لیے یہ لازم کیا گیا کہ ان کو کسی سے ملنے جلنے نہ دیا جائے اور انھیں بالکل تنہائی میں رکھا جائے جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ان کے اندر طاعون کا مرض نہیں ہے۔

اس حکم نامہ (جس کا ڈبرونک کے محفوظات میں بچ جانا بجائے خود حیرت انگیز ہے) میں لکھا ہے کہ ۲۷ر جولائی ۱۳۷۷ء کو

شہر کی اعلیٰ کونسل نے قانون پاس کیا جس میں یہ مطالبہ تھا کہ جو طاعون زدہ علاقوں کے آتے ہیں، انھیں راگوسا یا اس کے ضلعوں میں اس وقت تک داخل نہیں ہونے دیا جائے گا جب تک کہ وہ ایک مہینہ جزیرہ مرکان میں یا کیوٹاٹ قصبے میں گزار نہ لیں، تا کہ بیماری بے اثر ہو جائے۔[Expelling the Plague...by Zlata Blazina Tomic..]

ہسٹری ڈاٹ کام کے مطابق پہلے انھوں نے تیس دن کے قرنطینہ کی مدت رکھی، اس لیے اس طریقہ علاج کو پہلے ٹرنٹینو (Trentino) کہا گیا، پھر عیسائی مذہب میں چوں کہ چالیس کا عدد بہت متبرک مانا جاتا ہے، اس لیے اسے بڑھا کر چالیس دن کر دیا گیا، اور اس طریقہ علاج کو قوارینٹینو (quarantino) کہا جاتا تھا، یعنی ایسا علاج جس میں چالیس دن الگ تھلگ رکھ کر بیماری کو ختم کیا جاتا ہے تا کہ اس کی بیماری دوسروں کو متعدی نہ ہو، انگریزی زبان میں یہی لفظ (quarantine) بن گیا اور اردو اس کو قرنطینہ بنایا گیا۔

۲- بلاؤں کے دور میں فرقہ واریت

طاعون عظیم اور موجودہ وبا کوویڈ-۱۹ میں ایک قدر مشترک یہ بھی ہے کہ اس میں اکثریتی طبقہ نے اقلیتوں پر بیماری پھیلانے الزام دھرا تھا، بلکہ یوں کہیں کہ تقریباً پوری دنیا کی یہ تاریخ رہی ہے کہ جب جب کوئی بڑی بلا آئی ہے، تو اکثریتی طبقوں نے اقلیتی اور سیاسی طور پر کمزور لوگوں کو اس بلا کی وجہ بتا دیا، کیسے بتایا؟ جھوٹی افواہوں کے ذریعہ، پروپیگنڈہ کے ذریعہ۔ چلئے تھوڑی سی کرونالوجی سمجھتے ہیں۔

پہلی صدی میں سلطنت روم بھیانک آگ لگی تھی، بہت سے مورخین کا ماننا ہے کہ آگ خود قیصر روم ''نیرو'' نے ہی لگوائی تھی، پورا شہر جہنم بن جاتا ہے، لیکن افواہوں کا سہارا لیا گیا اور الزام اقلیتی گروہ ''عیسائیوں'' کے سر رکھا گیا، اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں، ان کا قتل عام کیا گیا، بہتوں کو پاگل کتوں کے سامنے ڈال دیا گیا۔

اسی طرح سے طاعون عظیم کے موقع پر بھی، طاعون پھیلانے کا الزام یورپ میں یہودیوں پر رکھا گیا، انسا ئیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے: ''پورے یورپ میں یہودی منافرت کے جذبات میں حدّت آ گئی، کیوں کہ سیاہ موت پھیلانے کا الزام انھیں کے سر مڑھا گیا تھا، پر تشدّد یہودی قتل عام کا دور شروع ہو گیا، پوری یہودی آبادی کو بھیڑ (mob) نے یا تو قتل کر دیا یا نذر آتش کر دیا۔

مارک کارٹ رائٹ (mark cart wright) نے انشینٹ ہسٹری انسائیکلو پیڈیا کے اپنے مقالے ''بلیک ڈیتھ'' میں لکھا ہے: (الگ الگ لوگوں نے اس وبا کی وضاحت الگ الگ انداز میں کی)۔ جب کہ بہت سے لوگوں نے اپنے روایتی دشمنوں پر الزام دھرا، ان کا صدیوں پرانا حسد نکل کر سامنے آ گیا، انھوں نے خاص گروہوں، خاص طور سے یہودیوں کو نشانہ بنانا اور ان کا قتل عام کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ (حملے سے بچے کھچے) ہزاروں یہودی پولینڈ کی طرف مہاجرت کر گئے۔''

۳۱ دسمبر ۲۰۰۹ء کو نیویارک ٹائم میں '' وباء کے زمانے میں بلی کے بکرے کی تلاش (Finding a scapegoat when epidemics strike) کے زیر عنوان ایک مضمون چھپا تھا جس میں اس ذہنیت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، سیاہ موت کے دور میں یہودیوں کی حالت پر اس میں لکھا ہے:

''دور وسطیٰ کے یورپ میں یہودیوں کو (طاعون پھیلانے کا) اتنا زیادہ ملزم ٹھہرایا گیا، اور اتنے بے حیا انداز میں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے اس وبا کو بلیک ڈیتھ کے بجائے جولیس ڈیتھ (یہودی موت) کیوں نہیں کہا، اس وباء کے دور شباب یعنی ۱۳۴۸ء سے ۱۳۵۱ء کے درمیان یہودیوں کے ۲۰۰ سے زیادہ گروہوں کا صفایا کر دیا گیا، ان لوگوں پر اس وباء کے پھیلانے کا الزام رکھا گیا، کنووں کو زہر آلود کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

اقلیتوں پر اس طرح کی ظلم وزیادتی کے واقعات تاریخ کے تہہ خانوں بے شمار پڑے ہوئے ہیں، ہمیشہ مضبوط لوگوں نے حاشیہ پر پڑے لوگوں کو تمام آفتوں، پریشانیوں، گندگیوں، بیماریوں اور وباؤں کا سبب قرار دیا ہے، اس لیے اگر اس وقت نوول کرونا وائرس کو ہندوستان اور سری لنکا میں مسلمانوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا تو اس میں کسی طرح کی حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ ظالموں نے ہمیشہ یہی کیا ہے۔!!

مولانا محمد مشاہد رضا مصباحی

مضامین

فیک نیوز کی قباحتیں - اسلامی نقطۂ نظر سے

اسلام دین فطرت ہے، اپنے ماننے والوں کو فطرت ہی کی تعلیم دیتا ہے اور اسی پر عمل کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ یہ دنیا کا واحد مذہب ہے جو ایک انسان کی زندگی کے تمام گوشوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی انسان کو ان تمام کاموں سے روکتا ہے جو فطرت، انسانیت اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے خلاف ہو۔ خواہ جھوٹ ہو یا غیبت، چغل خوری ہو یا افواہ بازی، غلط پروپیگنڈہ ہو یا فیک نیوز ہو مذہب اسلام میں ان میں سے ہر ایک کی سختی کے ساتھ ممانعت آئی ہے۔

فیک نیوز کی بنیاد جھوٹ پر ہے

مذہب اسلام نے جھوٹ کو فیک نیوز کی بنیاد اور اس کی اصل قرار دیا ہے، کیوں کہ جھوٹ ہی اس کے پیچھے کام کرتا ہے، اس کے ذریعے بناوٹی اور جعلی خبروں کو پھیلایا جاتا ہے جو جھوٹ ہی کی ایک دوسری شکل ہے۔ اور یہ ان گھٹیا ذہنوں کا کام ہے جو واقعات کو الٹ پلٹ کر بیان کرتے ہیں، حقائق کو چھپا کر اپنی مرضی کے مطابق پیش کرتے ہیں اور دن رات سچائی سے آنکھیں موند کر، بے شرمی و بے حیائی سے نہا دھو کر رات کو دن اور دن کو رات، زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین اور سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ شریعت مطہرہ نے ایسے لوگوں کو بے لگام نہیں چھوڑا کہ جس کی عزت چاہیں، چھین لیں اور جس کی آبرو چاہیں لوٹ لیں، جس کی عصمت چاہیں نوچ لیں۔ بلکہ ایسے افعال کے مرتکبین کی شدید مذمت کی ہے اور ایسے کام کو شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔ ساتھ ہی جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری تو ہے ہی، اس کی لعنت بھی ہے، جس پر اللہ عزوجل کی لعنت اور پھٹکار ہو وہ دنیا میں بھی خدائی رہنمائی سے محروم رہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۔ (الزمر:۳)۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے کو ہدایت عطا نہیں کرتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ۔ (النحل:۱۰۵)

ترجمہ: جھوٹ تو وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

مزید فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الإسراء:۳۶)۔

ترجمہ: جس بات کی تجھے خبر ہی نہیں اس کی ٹوہ میں مت پڑو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ۔ (الحجرات:۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے بدگمانیوں سے بچو، کیوں کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔

یعنی بدگمانی سے بچو، کسی کی ٹوہ میں نہ رہو اور جس چیز کا علم نہ ہو اس کو بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے سے احتراز کرو۔ جب بدگمانی کے بارے میں ایسا حکم ہے تو جھوٹ کی سنگینی تو اس سے بڑھ کر ہے کہ جھوٹ انسان کو جنت سے محروم کر کے جہنم میں لے جائے گا، جیسا کہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

عليكم بالصدق، فإنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، ومَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ ويَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيقًا، وإياكم و الْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ

☆　سیتامڑھی (بہار) موبائل نمبر: ۹۴۵۲۳۸۴۲۹۶

يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، ومَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ ويَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (صحیح بخاری، حدیث۶۰۹۴)

ترجمہ: سچ بولو، بیشک سچائی انسان کو نیکی کا راستہ دکھاتی ہے، نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، ایک انسان سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں صدیق (سچا) لکھ دیا جاتا ہے، جھوٹ سے بچو، یقیناً جھوٹ انسان کو برائی کی طرف لے جاتا ہے، برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

جھوٹ منافق کی سب سے بڑی علامت ہے۔منافق جھوٹ کے سہارے اپنے نفاق کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا، وہ جھوٹ کے ذریعے سے ہر ایک کو مطمئن رکھنے کی کوشش کرتا ہے-ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (صحیح بخاری، حدیث۶۰۹۵)

ترجمہ: منافق کی تین علامات ہیں: جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو وہ خیانت کرتا ہے۔

ان قرآنی آیات اور احادیث کریمہ سے معلوم ہو گیا کہ فیک نیوز کی سب سے بڑی بنیاد جھوٹ ہے جو کہ اسلام میں بہت بڑا جرم اور گناہ کبیرہ ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منافق کی سب سے بڑی علامت اور جہنم میں جانے کا سبب قرار دیا ہے-

فیک نیوز پھیلانے کی ممانعت

شریعت اسلامیہ کا مزاج ہے کہ جو بھی خبر یا بات پہنچے اس کی بنیاد اور اصل معلوم ہو، سچ اور جھوٹ کا مکمل پتہ ہو۔اسی وجہ سے ائمہ اسلام نے احادیث میں فن اسماء الرجال پر بہت زیادہ زور دیا اور اس کے لیے ایک مضبوط اور مستحکم ضابطہ بنایا تا کہ اسلام کی باتیں دنیا تک اسی طرح پہنچے جیسا صاحب شرع نے بتایا ہے- مذہب اسلام کا خاصہ ہے کہ اس میں سنی سنائی، اڑتی اڑائی بے سر و پا باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایک خصلت کو انسان کے جھوٹا اور بے یقین ہونے کے لیے کافی قرار دیا ہے فرمایا:

كَفَى بالمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (مسلم شریف مقدمہ،5)

ترجمہ: انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَن حدَّثَ عنِّي حديثًا وَهوَ يرى أنَّهُ كذِبٌ فَهوَ أحدُ الكاذِبِينَ (مسلم شریف مقدمہ،۱/ ۹،ترمذی شریف۲۶۶۲)

ترجمہ: جس نے میری طرف سے کوئی حدیث بیان کی اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔

اسلام نے اگر چہ مباح اور جائز بات کہنے کی اجازت دی ہے ساتھ ہی ایسی بات کہنے کی ترغیب دی ہے جو مفید اور نفع بخش ہو جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ (صحیح بخاری، ۶۰۱۸)۔

ترجمہ: جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔

فیک نیوز پھیلانا دراصل فواحش ومنکرات کو پھیلانا ہے۔ جو شخص فیک نیوز کا علمبر دار ہے اسے جان لینا چاہیے کہ وہ حقیقی معنوں میں فحاشی، بے حیائی اور برائی کی اشاعت کر رہا ہے،فیک نیوز سے کسی کی حق تلفی ہو جاتی، کسی کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے، کسی کا جانی مالی نقصان ہو سکتا ہے، اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایک فیک نیوز سے کتنے نقصانات ہو سکتے ہیں دراصل یہ پوری انسانیت کا نقصان ہے۔

لہٰذا فیک نیوز سے بچنا چاہیے، یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی دوسرے شخص کو کسی برائی میں ملوث دیکھتا ہے تو اس وقت اس کے دل میں برائی کے خلاف نفرت کم پڑ جاتی ہے پھر دھیرے دھیرے

وہ خود بھی اس کا مرتکب بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فیک نیوز پھیلانے کو قبیح گناہ (زنا) کے پھیلانے کے زمرے میں رکھا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النور۲۴، آیت ۱۹)۔

ترجمہ: جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے اور تم لوگ کچھ نہیں جانتے۔

فیک نیوز کی تصدیق کرنے کی ممانعت

اسلام ہمیشہ ایک باوقار اور پرامن معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے جہاں لوگوں میں آپسی بھائی چارہ، پیار اور محبت ہو۔ ایک دوسرے کے بارے میں ہر قسم کی کدورت اور برے خیالات سے ذہن پاک وصاف ہو۔ لوگ ہمیشہ سوء ظن کے بجائے حسن ظن اور اچھی اور مثبت سوچ سے کام لیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک پرسکون اور صحت مند معاشرہ بنانے اور مسلمانوں کو اوہام فاسدہ سے بچانے کے لیے اسلام نے شدت سے فیک نیوز اور اس کے پھیلانے والے کا رد کرتے ہوئے مختلف تدابیر اختیار کی ہے، چند تدابیر درج ذیل ہیں:

(۱)　فیک نیوز پھیلانے اور اس کی تصدیق کرنے والوں کی خوب مذمت کی جائے تاکہ وہ اس برے کام سے باز آجائیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (التوبہ:۴۷)۔

ترجمہ: اگر یہ (منافقین اگر اسلامی لشکر کے ساتھ شریک ہوتے تو غلط رائے اور مشورے دے کر مسلمانوں میں انتشار ہی کا باعث بنتے۔) تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے، بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے، ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں، اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

(۲)　واقعہ افک میں جن مسلمانوں نے منافقین کا ساتھ دیتے ہوئے فیک نیوز کی تصدیق کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی سخت زجر و توبیخ کی اور انہیں بڑا قصوروار ٹھہرایا، وہ فرماتا ہے:

لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ (النور:۱۲)

ترجمہ: اسے سنتے ہی مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا بہتان ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (النور:۱۴)

ترجمہ: اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔

(۳)　اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ صرف درست باتوں اور ٹھوس معلومات پر اعتماد کرتے ہیں:

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر: آیت ۱۸)۔

ترجمہ: جو لوگ توجہ سے بات کو سنتے ہیں پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہی ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، اور یہی عقل والے ہیں۔

(۴)　اسلام نے بیہودہ اور لایعنی باتوں کو سننے سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر ترغیب دلائی ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ (القصص:۵۵)۔

ترجمہ: اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ سلام ہے تم پر، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔

(۵)　اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فیک نیوز اور غلط باتوں کا رد کرتے

ہوئے فرمایا کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی خبر یا بات پہنچے تو پہلے اس کی فورا اچھی طرح تحقیق کرو پھر تصدیق کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات:۶)۔

ترجمہ:اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو، کہیں کسی قوم کو بے خبری میں تکلیف نہ پہنچادو، پھر اپنے کیے پر پشیماں ہونے لگو۔

جب ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسے بہت سارے لوگ ملتے ہیں جن کی زندگیاں فیک نیوز کی وجہ سے یا تو تباہ ہوچکی ہیں یا تباہی کے دہانے پر ہیں حالاں کہ پولیس محکمے اور دیگر سرکاری دفاتر میں یہ عبارت نقش دیوار ہوتی ہے کہ افواہیں نہ پھیلائیں، افواہوں پر کان نہ دھریں، مگر لوگ توجہ ہی نہیں دیتے غیر مسلم تو دور کی بات ہے مسلم بھی اس پر توجہ نہیں دیتے جب کہ فیک نیوز سے بچنا اور بچانا اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے بہت ہی ضروری ہے۔

(۲) اسلام نے فیک نیوز کا راستہ بند کرنے کے لیے مسلمانوں کو شکوک وشبہات والی چیزوں سے بھی دور رکھا ہے اور جو شکوک وشبہات سے دور رہتا ہے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے، ساتھ ہی اس کو حفاظت دین کا اہم ذریعہ شمار کیا ہے، جیسا کہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

إنَّ الحَلالَ بَيِّنٌ، وإنَّ الحَرامَ بَيِّنٌ، وبيْنَهُما مُشْتَبِهاتٌ لا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النّاسِ، فَمَنِ اتَّقى الشُّبُهاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ، وعِرْضِهِ، ومَن وقَعَ في الشُّبُهاتِ وقَعَ في الحَرامِ، كالرّاعِي يَرْعى حَوْلَ الحِمى، يُوشِكُ أنْ يَرْتَعَ فِيهِ، ألا وإنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، ألا وإنَّ حِمى اللَّهِ مَحارِمُهُ، ألا وإنَّ في الجَسَدِ مُضْغَةً، إذا صَلَحَتْ، صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وإذا فَسَدَتْ، فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، ألا وهي القَلْبُ. (صحیح بخاری ۵۲، صحیح مسلم، ۱۵۹۹)

ترجمہ: حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان بعض چیزیں شبہہ کی ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے (کہ حلال ہیں یا حرام) پھر جو شخص شبہہ کی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو شخص ان شبہہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چرائے۔ وہ قریب ہے کہ کبھی اس چراگاہ کے اندر گھس جائے، سن لو ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے۔ اللہ کی چراگاہ اس کی زمین پر حرام چیزیں ہیں۔ (پس ان سے بچو اور) سن لو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا سارا بدن درست ہوگا اور جب وہ بگڑ گیا سارا بدن بگڑ گیا۔ خبردار وہ ٹکڑا (آدمی کا) دل ہے۔

آج پوری دنیا فیک نیوز اور غلط پروپیگنڈہ کی شکار ہے-شوشل میڈیا کی وجہ سے اچھے اچھے لوگ فیک نیوز پھیلا دیتے ہیں اور انہیں پتہ بھی نہیں چلتا اور بات کی جائے میڈیا کی تو ان کا ایک بڑا طبقہ نیوز کی جگہ جھوٹ پھیلا رہا ہے-ایسے پرفتن دور میں امت مسلمہ کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے ذریعے خود کو اور دنیا کو بھی فیک نیوز کے فتنے سے بچائے- کیوں کہ یہ فتنہ پورے معاشرے اور ملک کے فساد کا سبب بن سکتا ہے، اس سے نہ جانے کتنی زندگیاں خطرے میں پڑ سکتی ہیں، آج کل تو گروہوں کو لڑانے کے لیے اس کا بہت استعمال کیا جا رہا ہے، جب کہ اسلام اختلاف پھیلانے کا سخت مخالف ہے، اس سے ضرور بچنا چاہیے۔

شہرت کے خواہاں لوگ فیک نیوز پھیلا کر کسی بھی قیمت پر اپنی چاہت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں اس سے غرض نہیں کہ ان کے اس عمل سے کتنی ہی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں حالاں کہ بعد میں وہ خود بھی اپنے اس عمل کی سزا کاٹتے ہیں لہٰذا لوگوں کو اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ انسانیت کے لیے، معاشرے میں امن کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ اس سے خود بھی بچا جائے اور دوسروں کو بھی بچایا جائے، عائلی زندگی پر بھی اس کے مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

یہ کہاوت مشہور ہے نا کہ "ایک جھوٹ چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں" تو ایسا کام کیوں کیا جائے جس سے کردار پر آنچ آئے، اور انسان فتنے میں مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے آمین بجاہ سید المرسلین۔

ایڈوکیٹ عرفان احمد فاروقی

مضامین

فرضی خبریں اور ہندوستانی قانون

جہاں پوری دنیا کووِڈ-۱۹ سے پریشان ہے اور اپنی تمام تر قوتوں کو اس کا علاج ڈھونڈنے میں صرف کررہی ہے۔ وہیں ہندوستان میں ابھی بھی سب سے بڑی بیماری فرقہ واریت (Communalism) ہے جو فرضی خبروں کی مدد سے اب مہاماری سے بھی زیادہ خطرناک بن چکی ہے۔ جہاں کورونا بیماری چھونے سے پھیلتی ہے وہیں فرقہ واریت (Communalism) فرضی خبروں (Fake News) سے پھیلتی ہے۔ روز ایک سے بڑھ کر ایک سنسنی خیز خبریں آتی ہیں اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ فرضی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف جاہل اَن پڑھ لوگ ہی اس کی زد میں ہیں، بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ جو اچھے عہدوں پر فائز ہیں وہ بھی اس کا شکار ہیں اور ایسا اس لیے ہے کہ آج کسی کے پاس بھلے کھانے کے لیے کچھ نہ ہو، تعلیم ہو نہ ہو، پر ایک اسمارٹ فون ضرور ہے، اور ایک خبر کے مطابق انٹرنیٹ کے استعمال میں انڈیا چین کے بعد دوسرا سب سے بڑا ملک ہے۔ اور تحقیقی مزاج کے فقدان کی وجہ سے ہم بنا سوچے سمجھے جو بھی خبر یا ویڈیوز ہمیں موصول ہوتی ہیں اسے آگے بڑھانا ہم اپنا فرض عین سمجھتے ہیں، تو ایسے میں کوئی بھی خبر چاہے وہ صحیح ہو یا کہ غلط، اگر پھیلائی جائے تو کچھ ہی منٹوں میں جنگل کی آگ سے بھی زیادہ تیزی سے پھیل جاتی ہے۔ اسی چیز کا فائدہ اٹھا کر کے فرقہ پرست طاقتیں فرضی خبریں پھیلاتی ہیں۔

فرضی خبروں کی کالا بازاری جتنی آسان ہمیں دکھتی ہے اتنی ہے نہیں (اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا بے محل نہیں ہوگا)۔ ہوتا یوں ہے کہ سیاسی پارٹیوں کے خود کے IT Cell بنے ہوئے ہیں جو خبر پھیلانے کے لیے PR Companies کو ہائر کرتی ہیں اور وہ پی آر کمپنی بندوں کو ہائر کرتی ہیں جنہیں مواد (Content) اور وقت دیا جاتا ہے اور ایک خبر کے مطابق ہر ٹویٹ یا پوسٹ کا ۵۰ سے ۶۰ روپیہ بندھا ہوا ہے۔ تو جو بھی خبر پھیلانی ہوتی ہے یہ IT Cell اسے سوشل میڈیا پہ ڈال دیتے ہیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خبر ٹرینڈ کرنے لگتی ہے اور تھوڑی دیر میں ہی وہ آپ کے موبائل میں ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر یہ بھی ہوتا ہے کہ عوام کے پاس جو بھی خبر آتی ہے چاہے وہ صحیح ہو یا کہ غلط وہ اسے صحیح ہی مانتے ہیں اور بنا جانچ پڑتال کے اسے آگے بھیج دیتے ہیں اور اس وجہ سے بھی بہت سی فرضی خبریں منٹوں سے سیکنڈوں میں پھیل جاتی ہیں اور جب تک یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ خبر جھوٹ تھی تب تک وہ اپنا کام کر چکی ہوتی ہے۔

فرضی خبر بنانے کے لیے ان کا سب سے محبوب Tool فوٹو شوپ ہے جو تصویروں اور ویڈیوز کو ایڈیٹ کرنے کے کام آتا ہے اور اسی کی مدد سے شر پسند لوگ مظلوم کو ظالم اور ظالم کو مظلوم بنا دیتے ہیں یا پھر کسی کو بھی دیش دروہی بنا دینا ان کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال کنہیا کمار اور عمر خالد کا وہ ویڈیو ہے جس میں ان کے نعرے کو توڑ مروڑ کر کے کچھ کا کچھ بنا دیا گیا اور جس کے لیے انہیں جیل تک جانا پڑا پھر بعد میں پتہ چلا کی یہ خبر فرضی تھی۔ اور یہ ایسا پہلی بار نہیں تھا اور نا ہی آخری بار۔ ایسے کئی سارے ویڈیو آئے جن کے بارے میں بعد میں پتہ چلا کہ یہ فرضی ویڈیو ہیں۔

ابھی حال ہی میں ایک ویڈیو خوب وائرل کیا گیا جس میں ایک مسلمان کو پولیس والوں پہ تھوکتے ہوئے دکھایا گیا تھا کہ دیکھئے یہ مسلمان کیسے کورونا جہاد پھیلا رہا ہے۔ پر جب بعد میں اس کی پڑتال

☆ لکھنؤ (یو. پی) موبائل نمبر: ۷۰۶۰۸۴۸۰۹۲

کی گئی تو پتہ چلا کی اس ویڈیو کا کورونا سے کوئی تعلق نہیں تھا یہ ایک پرانی ویڈیو تھی جسے کچھ کا کچھ بنا دیا گیا۔

یہ تو بات تھی سوشل میڈیا کی، پر ایسا نہیں ہے کہ مرکزی دھارے کی صحافت (Mainstream Media) اس سے اچھوتی ہے۔آج ہندوستان میں ۲۴ گھنٹے نشر ہونے والے چھوٹے بڑے لگ بھگ ۴۰۰ نیوز چینل ہیں جن کی پہنچ ڈائریکٹ آپ کے بیڈروم تک ہے اور یہ نیوز چینل دن رات ایسی خبریں ڈھونڈ ڈھونڈ کے دکھاتے ہیں جس میں وہ مسلمان کی شبیہ کو نقصان پہنچا سکیں ان کی ہر ڈیبیٹ میں ویلن مسلمان صرف مسلمان ہوتا ہے۔اور اس کا سیدھا سا سبب یہ ہے کہ اگر کسی کو ہیرو بنانا ہے تو پہلے کسی کو ویلن بناو، کیونکہ ہیرو بنا ویلن کے نہیں بن سکتا۔تو مسلمانوں سے سستا ویلن کہاں ملے گا انہیں۔تو یہ دن رات ہندو مسلمان کرتے ہیں،موضوع کوئی بھی ہو یہ اس میں ہندو مسلمان کا شگوفہ نکال ہی لیتے ہیں۔ابھی حال میں جب ممبئی میں بہار اور یوپی کے مزدور اپنے گھر جانے کے لیے ممبئی کے باندرا اسٹیشن پہنچے تو ان نیوز چینل والوں کو چاہئیے تھا کہ سرکار سے سوال کرے لیکن اس کی جگہ انہوں نے وہاں مسجد ڈھونڈ لی اور خبر یہ چلائی کی مسجد کے پاس کس نے اتنی ساری بھیڑ جمع کی؟

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ ہندو مسلمان کرنے سے کس کو فائدہ ہوگا تو ظاہر ہے ان سب سے صرف سرکار کو فائدہ ہے کہ سرکار کی ناکامیوں کی طرف سے لوگوں کا دھیان ہٹ جائے گا۔کوئی روٹی کپڑا اور مکان کے بارے میں نہیں پوچھے گا،روزگار اور تعلیم کے لیے سرکار سے سوال نہیں کرے گا،صحت یا دوسری بنیادی سہولتوں کے لیے سرکار کا محاسبہ نہیں ہوگا۔لوگ ہندو مسلم کی ڈیبیٹ پر ہی اپنا خون کھولاتے رہیں گے اور گورنمنٹ چین کی نیند سوتی رہے گی۔اور اسی لیے یہ نیوز چینل اپنی تمام تر صلاحیتیں سرکار کے فیصلے کو صحیح ثابت کرنے میں لگاتے ہیں۔ایسا ایک بار نہیں متعدد بار ہوا کہ فیک نیوز کا ماخذ کوئی ٹویٹ یا پوسٹ نہیں تھی بلکہ یہ نیوز چینل ہی تھے اور اس کی سب سے بڑی مثال وہ خبر تھی جو مین اسٹریم میڈیا پہ دکھائی گئی تھی کہ کالے دھن کو روکنے کے لیے لائے جا رہے نئے ۲۰۰۰ کے نوٹ کو بنانے کے لیے نینو ٹیکنولوجی کا استعمال کیا گیا ہے۔۲۰۰۰ کے ہر نوٹ پہ NGC یعنی Nano Gps Chip لگا ہوا ہے۔جو بنا کسی پاور سورس کے سیٹ لائٹ کو سگنل ریفلیکیٹ کرتا ہے۔اب چاہے نوٹ سات تالوں کے اندر ہو یا زمین سے ۱۲۰ میٹر نیچے،ان کو ان chips کی مدد سے ٹریک کیا جا سکتا ہے اور بنا نوٹ کو نقصان پہنچائے ان chips کو نکالا نہیں جا سکتا۔یہ نیوز خوب چلی اور لوگوں نے اسے صحیح مانا بھی، یہاں تک کی RBI کو یہ صفائی دینی پڑی کی یہ سب فرضی باتیں ہیں ۲۰۰۰ یا کسی بھی نوٹ میں کوئی chip نہیں لگی ہوئی ہے۔

ہندوستان میں جو آزادیٔ صحافت حاصل ہے اس کے لیے کوئی خاص دفعہ مقرر نہیں کی گئی ہے جیسے کہ اور ملکوں میں باقاعدہ اس کے لیے دفعات مقرر ہیں،مثال کے طور پہ امریکہ کو ہی لے لیں جہاں آزادیٔ صحافت کو جو تحفظ حاصل ہے وہ فرسٹ امینڈمینٹ سے حاصل ہے۔پر ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے ہمارے ملک میں پریس کو جو آزادی حاصل ہے وہ ہمارے آئین میں دیئے گئے بنیادی حقوق کی دفع 19(1)(A) سے حاصل ہے جو تقریر اور اظہار کی آزادی فراہم کرتا ہے۔جیسا کی صدرِ آئین ساز اسمبلی (Constitutional Assembly) ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا تھا کی آزادیٔ صحافت کو الگ سے کسی دفعہ میں مذکور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دفعہ 19(1)(A) ہی اس کا ماخذ و منبع ہے جیسا کہ Romesh Thapar V. S/O Madras اور Brij Bhushan V.S/O Delhi میں سپریم کورٹ نے کہا کہ آزادی صحافت، آزادیٔ تقریر و اظہار کا ہی بنیادی حصہ ہے۔

بھلے ہی یہ دونوں آزادیاں ہمارے آئین میں دیئے گئے بنیادی حقوق کا حصہ ہیں پر یہ بات واضح رہے کہ یہ آزادیاں مطلق نہیں ہیں ان پہ بھی قدغن لگائی جا سکتی ہے اور جن بنیادوں پہ قدغن لگائی جائے گی وہ ہندوستان آئین کی دفعہ 19(2) میں مذکور ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۶۸ رپر)

ادارہ

نقوش راہ

مدارس کی دنیا کے ایک جفاکش اور بے باک صحافی سے ملاقات

مدارس کی دنیا میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں قارئین کرام کو جاننا بہت ضروری ہے اس وجہ سے تاکہ ان کے تجربات، ان کی کوششوں سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔ فی الحال ہمارا محور **مولانا قاری نور الہدی مصباحی صاحب** کی ذات گرامی ہے، تقریباً ۴۵ سال قبل آپ آراضی چلبلوا" بھٹہٹ، ضلع گورکھ پور میں پیدا ہوئے، والد گرامی مولانا منور حسین صاحب نے عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا ۲۰۰۳ میں الجامعہ الاشرفیہ مبارکپور سے فراغت ہوئی۔ فراغت کے بعد تقریباً سولہ سال سے یوپی حکومت سے امداد یافتہ مدرسہ عربیہ سعید العلوم یکما ڈپو، لکشمی پور، مہراج گنج میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں، درس و تدریس کے ساتھ ساتھ اپنی مختلف الجہات انتھک کوششوں سے ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں، پوروانچل کے علاقے میں آپ مختلف حیثیتوں سے جانے جاتے ہیں، ایک اچھے مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سماجی رہنما بھی ہیں، عوام کی مسیحائی میں دن رات ایک کیے ہوئے ہیں، مزید ایک بے باک صحافی بھی ہیں، روحانی علاج بھی کرتے ہیں، مشرقی یوپی میں مدارس کے اساتذہ کے مسائل، عوام کے مسائل کو حل کرنے میں اپنا بہت کچھ نچھاور کر دیا ہے۔
ہم نے ان کی صحافتی اور سماجی خدمات کے حوالے سے ان سے جو گفتگو کی ہے وہ آپ انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

سوال: آپ نے میدانِ صحافت میں کب قدم رکھا؟ اور کیوں؟ نیز اپنی صحافتی اور تصنیفی خدمات پر اختصار سے روشنی ڈالیں؟

جواب: ۲۰۰۴ء میں روزنامہ راشٹریہ سہارا گورکھ پور ایڈیشن سے منسلک ہوا۔ اور تا حال اس سے وابستہ ہوں۔ فی الحال ضلع رپورٹر و سینئر صحافی کی حیثیت سے ایک شناخت ہے، اب تک تقریباً ۲۷/۳ ہزار سے زائد خبریں اور مختلف عناوین کے تحت ۲۰۰/ سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔
اس میدان میں میرے آنے کا اصل سبب یہ بنا کہ یہ شعبہ جو قوم کے تقاضوں، ضرورتوں اور مشکلات و آسانیوں کی صحیح ترجمانی کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے مگر اپنے لوگ اس میں خال ہی خال نظر آتے ہیں جب کہ انھیں تیزی سے اس میدان کی طرف رغبت کرنا چاہیے۔ لگے ہاتھ بتا دوں کہ الحمد للہ میں نے اس شعبے میں بہت سے علماء کو لانے کی کوشش کی اور کامیاب بھی رہا۔
آپ حضرات کی دعاؤں سے فقیر نے کچھ تصنیفی امور کو بھی انجام دیا ہے جس میں کافی شہرت کی حامل کتابیں آئینۂ حق و صداقت، انکشافات، شب برأت کی فضیلت ہیں اور تین کتابیں فی الحال زیر طبع ہیں جن میں 'اصول صحافت' نامی کتاب، تنہا کئی سو صفحات پر مشتمل ہے، ان شاء اللہ بہت جلد یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اب تک صحافتی فیلڈ میں مختلف تنظیموں اور اداروں کی جانب سے ناچیز کو ۱۹/ ایوارڈ مل چکے ہیں۔

سوال: اس وقت صحافتی دنیا میں علمائے اہل سنت کی سخت ضرورت ہے۔ کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں؟ اور اگر آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں تو کیوں؟

جواب: اس وقت صحافت کے میدان میں علما کی اشد ضرورت

ہے۔ کیونکہ قوم کی صحیح ترجمانی، ملت کی ضروریات کے مطابق بروقت رہنمائی، کسی بھی معاملے پر بحث وتمحیص کر کے صحیح آراء وافکار اخذ کرنے کا جو ملکہ اس جماعت میں ہے شاید و باید ہی وہ کسی دوسری جماعت کے افراد میں ہو لہٰذا صحافتی میدان میں علمائے کرام کا آنا وقت کا اہم تقاضہ ہے تاکہ اس کے ذریعہ قوم و وطن کے کاموں کو بحسن وخوبی انجام دیا جاسکے۔

سوال: اس وقت Covid 19 کی وجہ سے ملک کے جو حالات ہیں وہ سب پر عیاں ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ میڈیا چینلوں نے مسلمانوں کے تئیں عوام میں نفرت کا زہر گھول کر ماحول خراب کردیا ہے تو ایسے ماحول میں آپ کو اپنے تشخص کے ساتھ اخبار کی رپورٹنگ کے لیے کوئی دشواری تو نہیں ہوتی... آپ نے اپنی صحافتی ذمہ داری کس طرح ادا کی؟

جواب: اس وقت نا گفتہ بہ حالات سے ہر کوئی دوچار ہے۔ ہماری شبیہ کو داغدار اور بدنام کرنے کے ناپاک منصوبے بنائے گیے، مکروہ سازشیں رچیں گئیں اور مزید رچی جارہی ہیں، ہمیں ہر محاذ پر ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور میں تو کہوں گا کہ یہ تو ہماری کمی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے غیروں کو اپنی اصل، سچی شبیہ اور حقیقی درس اسلام سے روشناس و متعارف نہیں کرایا، جس کا نتیجہ انجام بد کی صورت میں ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ بحمدہ تعالیٰ اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے میڈیا کے ذریعے قوم وملت کی نمائندگی کرنے کے ساتھ، دیگر کاموں کو انجام دینے میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ ہاں! بسا اوقات پہلی دفعہ غیر، اجنبیوں میں جانا ہوتا ہے تو وہ ضرور اسلامی شعار دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں اور اپنی الٹی منطق، اور منفی سوچ میں یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ مولانا آدمی یہاں کیسے؟ یہاں ان کی کیا ضرورت؟ اس کے بارے میں یہ کیا جانتے ہوں گے؟ یہاں تو میڈیا والے ہیں ان کا کیا کام؟ جو لوگ پہلے نہیں جانتے ہیں ان کے مابین اس طرح سے دبی زبان میں گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن چند لمحہ متعلقہ موضوع پر گفتگو کرنے کے بعد وہی لوگ اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ حیرت کے ساتھ ان کے لب بول پڑتے ہیں کہ یہ ٹوپی والے کہیں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے ہیں!

سوال: کیا ہے مدارس نیوز واٹس ایپ گروپ؟ اس میں آپ کے ذمہ کیا کام ہے؟ اس سے اہل مدارس کا کون سا مفاد وابستہ ہے؟ سوشل میڈیا میں اس گروپ کی اہمیت کیا ہے؟ اور اب تک اس سے کتنے اور کس نوعیت کے افراد وابستہ ہو چکے ہیں؟

جواب: مدارس نیوز گروپ سوشل میڈیا کے میدان میں علما کے لیے ایک اہم ترین، معتبر واٹس ایپ گروپ ہے یہ صرف میں نہیں بلکہ اب خود اس سے وابستہ علما کہہ رہے ہیں۔ گذشتہ کئی سالوں سے مدارس نیوز گروپ (فی الوقت ایک تا ۱۴ ذیلی گروپس) نہایت شاندار طریقے سے چل رہا ہے، اس گروپ میں کئی ہزار علما و دانشورانِ قوم، کئی اہم خانقاہوں کے سجادگان، ارباب صحافت، ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ شامل ہیں۔ دراصل اس گروپ کی تشکیل کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اکثر لوگ مجھے اخبار سے وابستہ ہونے کی وجہ سے فون کرتے رہتے تھے کہ مدرسہ تعلیمی بورڈ اتر پردیش کے امتحان کا فارم کب بھرا جائے گا؟ منشی تا فاضل کے امتحانات کب ہوں گے؟ مشاہرہ بجٹ کا کیا حال ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ روزانہ شام کو اس طرح کے درجنوں افراد کے فون میرے پاس آتے تھے اور شام کا میرا وقت اخبار کے لیے ہوتا ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ

عشا تک میں دوصفحہ بھی خبریں نہیں لکھ پاتا پھر ایک دن ذہن میں یہ بات آئی کہ اکثر علما اینڈ روائڈ موبائل استعمال کرتے ہیں تو کیوں نہ مدارس نیوز گروپ کے نام سے ایک وہاٹس ایپ گروپ بنادیا جائے اور پھر میں نے ۱۸مئی ۲۰۱۵ء کو مدارس نیوز گروپ تشکیل دیا۔ چند دنوں میں اس کی مقبولیت اس قدر بڑھ گئی کہ اس گروپ میں شامل ہونے کے لیے لوگ اپنے متعلقین سے سفارش کرنے لگے۔ گروپ در گروپ بنتے گئے اور فل ہوتے گئے آج مدارس نیوز گروپ ایک تا ۱۴ر نہایت آن بان اور شان کے ساتھ علما کے لئے ایک وی آئی پی گروپ بن کر چل رہا ہے۔ مدارس نیوز گروپ مدرسہ تعلیمی بورڈ کی تازہ خبروں کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ کی اہم ترین خبریں، رویت ہلال کا معاملہ، دینی و دنیاوی مسئلہ، اور دیگر مسائل سمیت ضروری معاملات کے لئے ایک زبردست پلیٹ فارم بن گیا ہے، متحرک اور فعال ایڈمن حضرات کی نگرانی میں چلنے والا یہ گروپ فالتو اور بے کار میسیج بھیجنے والوں کی بھی زبردست گرفت کرتا ہے۔ ہمارے وہ علما جو دوسری ریاستوں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، جہاں انہیں علاقائی خبریں نہیں مل پاتی ہیں مدارس نیوز گروپ کے ذریعے ان تک آسانی سے خبریں پہنچ جاتی ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ ایک دو نہیں درجنوں بڑے علمائے کرام کا یہ کہنا ہے کہ ہم اپنے موبائل میں انٹرنیٹ پیک صرف مدارس نیوز گروپ کی خبروں کا مشاہدہ کرنے کے لئے جاری رکھتے ہیں۔ وہاٹس ایپ کی دنیا میں بہت سے گروپ ایسے ہیں جو مدارس نیوز گروپ کی خبروں کے سبب متحرک مانے جاتے ہیں۔ اس گروپ میں حالات حاضرہ کی خبریں نشر کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہمارے علما اگر ان خبروں سے باخبر رہیں گے تو بروقت اپنے تجربات کی روشنی میں قوم کی سچی رہنمائی کرسکیں گے۔

سوال: صحافت کے علاوہ آپ کی کیا کیا مصروفیات ہیں؟

جواب: ویسے تو بہت ساری ذمہ داریاں اور مصروفیات ہیں، حتی المقدور والدین اور اساتذہ کی دعاؤں کے سہارے نبھانے کی کوشش کرتا ہوں، اللہ رب العزت کا بے پناہ فضل ہے، ناکامی کبھی ہاتھ نہ آئی۔ ابھی حال ہی میں کچھ شر پسند عناصر کے ذریعہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے گستاخانہ اور دل آزار کلمات سوشل میڈیا پر وائرل ہو رہے تھے! ناچیز نے اس کے خلاف ایکشن لے کر اس کی فوری طور پر پولیس سپرنٹنڈنٹ سے شکایت کی، بروقت اس گستاخ کے خلاف پولیس کے ذریعے کارروائی بھی کی گئی جب کہ خصوصی طور سے صرف صحافتی سرگرمیوں پر میں جب نظر ڈالتا ہوں تو بہت مشکل سے کچھ وقت کھانے، پینے، سونے کے لیے نکل پاتا ہے۔ لیکن بحمد اللہ بزرگوں کی عنایتیں ہیں کہ اس کے باوجود بھی دیگر کاموں کو بآسانی سر کرلیا جاتا ہے مثلاً صرف میں اپنی میڈیائی سرگرمیوں وذمہ داریوں کے تعلق سے کچھ بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

☆ ٹیچر ایسوسی ایشن مدارس عربیہ اتر پردیش کا ریاستی میڈیا انچارج
☆ تنظیم ابنائے اشرفیہ کا مرکزی میڈیا انچارج
☆ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کا میڈیا انچارج
☆ پاسبان ملت کمیٹی رجسٹرڈ گورکھ پور کا میڈیا انچارج
☆ رویت ہلال کمیٹی ضلع مہراج گنج و گورکھپور رجسٹرڈ کا میڈیا انچارج
☆ بھارت ڈیلی نیوز ہندی کا میڈیا انچارج وغیرہ

... لیکن بحمد اللہ دادا جان کی عنایتیں، والد گرامی کی دعائیں اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی نگاہ فیض کی خوب

بارش ہوتی ہے اور بلا جھجھک سارے کام خود بخود حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

سوال: لوگوں میں مشہور ہے کہ آپ ایک کامیاب روحانی طبیب بھی ہیں یعنی آسیب وغیرہ کے متاثرین آپ سے کثرت سے رجوع کرتے ہیں؟ اور آپ فی سبیل اللہ ان کی خدمت کرتے ہیں اس میں کتنی صداقت ہے؟ نیز یہ بتائیں کہ کیا اس پلیٹ فارم سے مذہب اسلام کی ترویج واشاعت کا کام کیا جاسکتا ہے؟

جواب: حضرت! بات تو درست ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ احقر کے ذریعے ہر ہفتے جمعہ کے روز روحانی مشن کے تحت عوام کا علاج گذشتہ پندرہ برسوں سے جاری ہے۔ جمعہ کے روز تقریباً ہزار پندرہ سو لوگ حاضر ہوتے ہیں اور یہ بات سچ ہے کہ سب کا روحانی علاج و معالجہ فری یعنی فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔

رہی یہ بات یعنی اس پلیٹ فارم سے دعوت وتبلیغ کی تو میں نے جو اندازہ لگایا وہ یہ کہ دعوت وتبلیغ کے لیے یہ بھی ایک زبردست پلیٹ فارم ہے، اس سلسلے میں میرا ایک کام یہ بھی ہوتا ہے کہ جسے بھی تعویذ وغیرہ دیتا ہوں تو پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ اگر مسلمان مرد یا عورت ہے تو نماز لازمی طور پر ادا کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ ظاہر ہے بندہ جب نماز کی پابندی کرنے لگے گا تو اس کی آدھی بیماری کیا، نماز کی برکت سے مکمل بیماری خود بخود ختم ہو جائے گی ان شاء اللہ۔ اللہ کا شکر ہے ہر ہفتے زیادہ نہیں تو بھی سو دو سو لوگ نماز کے پابند ہو ہی جاتے ہیں۔ ہاں اس طرح سے لوگوں کی مجبوری کا میں جائز فائدہ نماز کا پابند بنا کر اٹھاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ کچھ ہی دنوں میں شریعت کے مکمل طور پر پابند ہو جاتے ہیں۔

سوال: کیا آپ کے اس دینی خدمات سے متاثر ہو کر کچھ لوگ دائرہ اسلام میں بھی داخل ہوئے ہیں؟

جواب: جی ہاں! الحمد للہ۔ میں بتاوں آپ کو کہ جمعہ کے روز جب روحانی پروگرام کا انعقاد ہوتا ہے تو آخر میں اغیار کے درمیان تیس چالیس منٹ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور بزرگان دین کے اخلاق وعادات کا بھی ذکر ہوتا ہے جس سے متاثر ہو کر اس وقت ۳۹/ افراد داخل اسلام ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگ ابھی ویٹنگ لسٹ میں ہیں۔

آپ حضرات دعا فرمائیں کہ انہیں بھی جلد اسلام کی آغوش میں آنے کا موقع میسر آئے۔

سوال: قارئین کو آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب: آپ کے محبوب ومؤقر رسالہ کے معزز قارئین کو میرا یہی پیغام ہے کہ آپ جو بھی کام کریں نہایت خلوص کے ساتھ للّٰہیت سے کریں۔ میرے دادا جان علیہ الرحمہ نے اپنی وصیت کے کلمات میں بڑی تاکید کے ساتھ جس بات کا مجھ سے وعدہ لیا تھا وہ فی سبیل اللہ خدمت خلق کا وعدہ تھا۔

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار وگفتار، اخلاص و عمل جو اسوۂ حسنہ ہیں اسے آپ اپنی عملی زندگی میں شامل کریں اور قرآن کی تعلیمات کو اپنے اوپر لازم کرلیں۔ دنیا اور آخرت کے تمام گوشوں میں ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی اور جاتے جاتے میں رب کی بارگاہ میں ملتجی ہوں کہ مولیٰ! ہم سبھی کو حسنات دارین سے مالا مال فرما کر ابدی سرخروئیوں سے سرفراز فرما... آمین۔

آخر میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس شعر کے ساتھ اپنی طویل گفتگو ختم کرنے کی اجازت چاہوں گا ؎

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی

گوشۂ خانقاہ

مشائخ برکات کا اجمالی تعارف (پانچویں قسط)

سراج السالکین حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں صاحب حضور سید شاہ حمزہ کے منجھلے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۰ر رجب ۱۱۶۳ھ میں مارہرہ شریف میں ہوئی۔ ''پیر مشائخ'' مادۂ تاریخ ولادت ہے۔

والد ماجد نے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ دوسرے علم و فن کے ساتھ فن طب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ والد ماجد حضرت حمزہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ اس کے علاوہ حضور اچھے میاں نے بھی خلافت عطا فرمائی تھی۔ حضرت ستھرے میاں بہت کم مرید فرماتے تھے اپنے صاحبزادوں کے علاوہ صرف قطب گوالیار حضرت حافظ نصر الدین علیہ الرحمہ کو خلافت عطا فرمائی۔ آپ کلام بہت کم فرماتے اکثر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔

آپ کی فضیلت کا یہ عالم تھا کہ بارہ سال کی عمر سے لے کر نوّے سال کی عمر تک اعمال و ورد و وظیفہ میں لگے رہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کا یہ حال تھا کہ ہزاروں نہیں لاکھوں بار قرآن پاک مکمل فرمایا۔ دعائے حرز یمانی (سیفی) لاکھوں بار پڑھی۔ حضرت ستھرے میاں صاحب اپنی شہادت کی انگلی پر پٹی باندھے رہتے۔ ایک دن ان کے چھوٹے صاحبزادے حضرت غلام محی الدین امیر عالم نے ان کی انگشت شہادت پر پٹی دیکھ کر پوچھا کہ آپ کی انگلی میں کیا ہوا؟ حضرت نے فرمایا: کچھ نہیں، اس پر آپ کے صاحبزادے نے وہ پٹی آپ کے ناخون سے کھینچ لی تو دیکھا کہ ناخون پر اللہ لکھا ہوا ہے۔ جب حضرت کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا یہ کیسے ہوا؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہر نماز میں جب یہ انگلی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دیتی ہے تو اگر اس پر اتنا بھی اثر نہ آئے تو دل پر کیسے اثر ہوگا۔ یہ تھا حضرت ستھرے میاں کی عبادت و ریاضت کا عالم۔

آپ کا پہلا نکاح سید محمد حسن صاحب کی بیٹی سے ہوا، جس سے سید آل امام جمّا میاں پیدا ہوئے۔ دوسرا نکاح بارہ بنکی کے سادات میں قاضی سید غلام شاہ حسین صاحب بلگرامی کی صاحبزادی فضل فاطمہ سے ہوا جن سے خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی، سید شاہ اولاد رسول، سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم رحمۃ اللہ علیہم اور پانچ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

حضرت ستھرے میاں کا وصال ۹۰ر سال کی عمر میں ۲۶ر رمضان ۱۲۵۱ھ سنیچر کے دن ظہر کے وقت ہوا۔ وصال سے کچھ سال پہلے آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضرت حمزہ اور آل محمد کے درمیان دفن کیا جائے۔ وصال کے بعد جب قبر کھودنے کی تیاری ہوئی تو وہاں اتنی جگہ درمیان میں نہ تھی کہ قبر ہو سکے۔ ناچار دوسری جگہ قبر کے لیے تیار ہوئی۔ جب درگاہ میں آپ کو دفن کرنے کے لیے جا ہی رہے تھے کہ حضرت سید شاہ آل رسول اس جگہ پر گئے جہاں حضرت ستھرے میاں صاحب نے وصیت فرمائی تھی تو دیکھا کہ ان دونوں مزاروں کے بیچ اچھی خاصی جگہ موجود ہے۔

حضرت سید شاہ آل رسول صاحب نے یہ کرامت تمام حاضرین کو دکھلائی، جس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت آل محمد صاحب کا مزار اپنی جگہ سے پورب کی طرف سرک گیا ہے اور اپنے

☆ جوائنٹ سکریٹری، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ (یو. پی)

لخت جگر راحت جان ستھرے میاں صاحب کے لیے اپنے اور اپنے فرزند سیدنا شاہ حمزہ صاحب کے درمیان میں جگہ کردی ہے۔

حاضرین اس کرامت کو دیکھ کر بہت تعجب میں پڑے اور پھر حضرت ستھرے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید شاہ حمزہ اور حضرت سید شاہ آل محمد رحمۃ اللہ علیہم کے مزار کے درمیان دفن کیے گئے۔

حضرت ستھرے میاں صاحب نے خاندان سے باہر بہت کم لوگوں کو خلافت سے نوازا، اس لیے دیگر مشائخ کی بہ نسبت آپ کے خلفا کی تعداد کم ہے۔ آپ کے خلفا میں حضرت سید شاہ آل رسول احمدی، حضرت سید شاہ اولاد رسول، حضرت سید شاہ غلام معین الدین امیر عالم اور حافظ نصر الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نام ملتے ہیں۔

(صفحہ ۵۲ رکا بقیہ) سیدی اعلیٰ حضرت نے فتاوی رضویہ شریف میں کسی عرب صاحب کی عربی دانی پر خوب گرفت فرمائی ہے، اسی میں عرب صاحب نے جمادی الثانی لکھا ہے جس پر اعلیٰ حضرت نے گرفت فرماتے ہوئے لکھا کہ ''جمادی الثانی مؤنث کی صفت مذکر!'' حضرت نے جمادی کا کوئی تیسرا بھی دیکھا ہوگا کہ عرب ''ثانی'' یے ''ثالث'' نہیں بولتے۔

اس کے بعد تصحیح کرتے ہوئے رقم طراز ہوئے ''مہینے کا علم ''جمادی الآخرۃ'' ہے، اعلام میں تصرف کیسا؟ (اگر زبر زیر آنکھ پر پھلی نہ ہو فافہم)۔'' (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۱۲، ص ۳۴۱، رضا اکیڈمی)۔

اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ مہینوں کے نام جو در اصل اعلام ہیں اور اعلام میں کسی طرح کا بھی تصرف روا نہیں۔ لہٰذا ''جمادی الاُولیٰ، جمادی الآخرۃ'' کے علاوہ تمام اس کی بننے والی صورتیں غلط ہیں۔

(صفحہ ۶۲ رکا بقیہ)......تو اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب حق بات کہنے کی آزادی بھی مطلقاً نہیں ہے تو پھر فرضی خبروں کے لیے ہمارے لیے قانون میں کیا انتظام ہے اس لحاظ سے تعزیرات ہند (Indian Penal Code 1860) کی دفع ۵۰۵ قابلِ توجہ ہے جو افواہ اور جھوٹی خبریں پھیلانے پر ۳ سال کی سزا اور جرمانے کا انتظام کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر کسی فرضی خبر سے کسی بندے کا کردار مجروح ہوا ہے تو تعزیرات ہند کی دفع ۴۹۹ اور ۵۰۰ کے تحت ہتک عزت کا مقدمہ دائر کیا جا سکتا ہے اور جرم ثابت ہونے پر ملزم کو ۲ سال کی سزا ہوسکتی ہے۔ ان کے علاوہ جب کہ وبائی مرض پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے تو اس لحاظ سے بھی فرضی خبروں کے متعلق قانون جاننا بے محل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسے نازک وقت میں کوئی بھی افواہ بہت زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی ہے تو ایسے موقع پر Disaster Managment Act کام میں آتا ہے جس کی دفعہ ۵۴ میں ہے کہ اگر کوئی آفت کے زمانے میں جھوٹی خبر آفت سے متعلق پھیلاتا ہوا پکڑا گیا تو اسے اپنی زندگی کا قیمتی ایک سال جیل میں گزارنا پڑ سکتا ہے۔

تو جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ ابھی تک ہمارے ملک میں فرضی خبروں کی روک تھام کے لیے خاص مکمل قانون نہیں ہے۔ جو دفعات ہیں کہ جن کی طرف ہم رجوع کر سکتے ہیں وہ بنا دھار کی تلوار ہیں۔ صرف برائے نام ہی ان سے مدعا حاصل نہیں ہوسکتا۔ پہلے لوگوں کے پاس وسائل نہیں تھے اور فرضی خبریں افواہوں کے روپ میں پھیلائی جاتی تھیں اور جن کے ماخذ کا پتہ لگانا جوئے شیر کا لانا تھا۔ پر آج کے دور میں جب یہ با آسانی پتہ کیا جا سکتا ہے کی اس کا ماخذ کیا ہے یا یہ خبر کس موبائل سے کس کے کمپیوٹر سے پھیلائی گئی ہے تو ایسے میں ایک مکمل قانون کا ہونا پہلی ضرورت ہے۔ پر ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہیے، سرکار سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ آنے والے چند سالوں میں فرضی خبروں کی روک تھام کے لیے کوئی نہ کوئی مضبوط قانون ضرور ی لائے گی۔

منظومات

حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی / حضرت نیاز بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان

منقبت در شان سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ
تو زمین والوں پہ اللہ کا سایہ خواجہ

ہے قلمرو میں ترے ہند کی پوری اقلیم
ہند کے سارے ولی تری رعایا خواجہ

مکرِ شیطاں سے مریدوں کو بچا لیتے ہو
اس لیے پیر تمہیں اپنا بنایا خواجہ

جوش مستی میں کئی آئے ہیں ایسے لمحے
میں بہک جاتا مگر تم نے بچایا خواجہ

بے خودی میں میں خودی کو ہی خدا کہہ دیتا
شکر ہے تم نے مگر یاد دلایا خواجہ

میری کشتی ابھی ساحل سے لگی جاتی ہے
اک ذرا تم نے اگر ہاتھ لگایا خواجہ

بربطِ عشق پہ مضراب عمل سے تم نے
نغمہ توحید کا کیا خوب سنایا خواجہ

سیّد خستہ کو اُمید حضوری کب تھی
صدقے جاؤں ترے کیا خوب بلایا خواجہ

خواجۂ خواجگاں معین الدین
فخرِ کون و مکاں معین الدین

سرِ حق را بیاں معین الدین
بے نشاں را نشاں معین الدین

مرشد و رہنمائے اہلِ صفا
ہادی انس و جاں معین الدین

عاشقاں را دلیلِ راہِ یقیں
سدّ راہ گماں معین الدین

خواجۂ لا مکاں و قدس مقام
آسماں آستاں معین الدین

قرب حق اے نیاز گر خواہی
ساز وردِ زباں معین الدین

ڈاکٹر عبدالماجد انصاری

گوشۂ اطفال

اچھی عادتیں

احتساب نفس (اپنی شخصیت کو پہچاننا، اپنی خوبیوں اور خامیوں کو پہچاننا):

یہ ایک بہت اہم خوبی ہے کہ انسان اپنے رجحان یا صلاحیتوں کو پہچانے اور ان کی قدر کرے۔ ایک بچہ بہترین رزلٹ کی بنیاد پر انجینئرنگ میں داخلہ لے لیتا ہے لیکن تین برس تک پڑھائی کرنے کے بعد اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ غلط فیلڈ میں آ گیا ہے، اسے تو آرٹس پسند ہے، اب وہ پڑھائی چھوڑ دیتا ہے اور بعد میں نہ ہی انجینئر بن پاتا ہے نہ ہی آرٹس کی تعلیم مکمل ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو صحیح طور پر پہچان نہ پانے کی وجہ سے ایک ذہین بچہ کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔

اللہ نے ہر کسی کو مختلف صلاحیتیں، خوبیاں، فنون اور اہلیتیں عطا کیں ہیں۔ مگر سب کا رجحان اور میلان الگ الگ ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کے پاس بہترین تخلیقی دماغ ہے، تو کوئی بہت اچھا مصنف، ادیب و شاعر ہے، کسی کو کارپینٹری میں مہارت ہے، تو کوئی مارکیٹنگ ایکسپرٹ ہے، کوئی فائنانس میں ماہر ہے، کوئی کھیل کود میں نام کما سکتا ہے وغیرہ۔

لیکن عام طور پر لوگ اپنی ان خصوصی صلاحیتوں کو پہچان ہی نہیں پاتے ہیں اور اس وجہ سے صلاحیتیں زنگ آلود ہو جاتی ہیں اور ان سے خود کو اور قوم و ملک کو جو فائدہ مل سکتا ہے، نہیں مل پاتا ہے۔ اس لیے اپنی صلاحیتوں کو پہچاننا اور ان کا صحیح استعمال کرنا نہ صرف خود کے لیے ضروری ہے بلکہ سارے معاشرے کے لیے بھی اہم ہے۔ اسی سے سماج ترقی کرتا ہے۔ اپنے رجحان اور میلان کو نہ سمجھ پانے سے نقصان عظیم ہوتا ہے۔

ہم عادتاً ہمیشہ دوسروں کو دیکھتے ہیں، ان کے بارے میں ہی سوچتے ہیں اور ان کے متعلق معلومات جمع کرتے ہیں اس لیے اگر کوئی ہم سے دوسروں کے بارے میں کچھ پوچھے تو ہم بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔

لیکن کیا ہمیں خود کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہوتا ہے؟ کیا ہم کبھی اپنی خوبیوں اور خرابیوں کے متعلق بھی جاننے کی کوشش کرتے ہیں؟ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا ہے۔ ایک سیمینار میں جب شرکاء کو خود کے بارے میں کچھ کہنے کو کہا گیا تو بہت کم افراد دو یا تین منٹ تک بول پائے۔ اور جب انہیں یہ کہا گیا کہ اپنی اچھائیوں کے متعلق کچھ بتاؤ تو تقریباً سناٹا چھا گیا اور لوگ خاموش ہی رہے۔ اس کا سیدھا اور صاف مطلب یہ ہے کہ ہم خود کو کچھ بھی وقت نہیں دیتے، خود کی فکر نہیں کرتے اسی لیے ہمیں اپنے بارے میں بہت کم معلومات ہوتی ہے اور ہم اپنی اچھائیوں اور برائیوں کو بھی نہیں جانتے۔ خود کو جانے بغیر ہم کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتے۔ خود کو جاننے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

اپنی خوشیاں بانٹنا:

انسان کو جب خوشی ملے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی خوشیاں صرف اپنے تک ہی محدود نہ رکھے صرف خود ہی مسرور و شادماں نہ ہو بلکہ اس میں والدین، رشتہ دار، دوست و احباب کو بھی شامل کرے، اس لیے کہ خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں۔

احتیاط:

مشہور جملہ ہے کہ احتیاج علاج سے بہتر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نقصان سے بچنے کے لیے پہلے سے ہی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا چاہیے۔ جیسے بارش میں بھیگ کر بیمار ہونے سے پہلے چھتری خرید لینی چاہیے۔ اسی طرح ہر آنے والے خطرہ یا نقصان سے بچنے کے لیے احتیاط کرنے میں بڑی سمجھ داری ہے۔ احتیاط کرنا اچھی عادت ہے اور احتیاط نہیں کرنے سے بڑے بڑے نقصانات سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، ہیڈ آف دی کامرس ڈپارٹمنٹ، مہاراشٹرا کالج آف آرٹس سائنس اینڈ کامرس، ناگپاڑہ، ممبئی-۸ (مہاراشٹرا)

ڈاکٹر عاطف سالار

طب و صحت

یورِک ایسڈ بڑھنے پر کون سی چیزیں لیں اور کن چیزوں سے پرہیز کریں

آخر کیا ہوتا ہے Uric Acid؟

جب ہم لوگ کچھ بھی کھاتے ہیں تب ہمارے جسم میں ایک ویسٹ مٹیریل (Waste Material) پایا جاتا ہے۔ جسے ہم Uric Acid کہتے ہیں جو کہ کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے، لیکن پریشانی تب ہوتی ہے جب یہ ہمارے جسم میں بڑھ جائے۔

جب ہمارے جسم میں ایک خاص مادہ Purina بڑھ جاتا ہے، اس کو ہم Uric Acid بڑھنا کہتے ہیں۔

Uric Acid کا بڑھ جانا کیوں خطرناک ہے:

High Uric Acid سے ہمارا جسم بیماریوں کا گھر بن جاتا ہے، سب سے پہلی بیماری جو High Uric Acid کی وجہ سے ہوتی ہے وہ ہے Gout (جسے ہم Arthritis بھی کہتے ہیں، جس میں ہماری ہڈیوں (Bones) کو کافی درد ہوتا ہے)۔

صرف یہی نہیں اس سے دل میں رکاوٹ کا خطرہ بھی کافی بڑھ جاتا ہے، اس کے علاوہ گردوں میں پتھری (Kidney Stone) اور بہت ساری گردے کی پریشانی بھی Uric Acid سے بڑھ جاتی ہے۔

کیا کریں جس سے یورِک ایسڈ نہ بڑھے:

سب سے پہلے ان سب چیزوں سے دور رہنا چاہیے جن سے یورِک ایسڈ بڑھتا ہے۔

جیسے کہ بہت سارے ڈرنکس ہماری صحت کے لیے کافی نقصان دہ ہیں۔ اس میں سب سے پہلے شراب کا پینا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم شراب سے دور رہیں، کیوں کہ یہ یورِک ایسڈ کو بہت تیزی سے بڑھاتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سارے سافٹ ڈرنکس (جیسے کہ کولڈ ڈرنکس وغیرہ) جس میں چینی کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے ہمیں چاہیے کہ ہم ان سب چیزوں سے دور رہیں۔

تیس منٹ کی چہل قدمی یورِک ایسڈ کو دور کر دے گی:

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا یورِک ایسڈ نہ بڑھے تو ہمیں چاہیے کہ ہم کم سے کم ۳۰ منٹ ایکسرسائز کریں یا کم سے کم ۳۰ منٹ تیز قدم سے چلیں۔ یہ چیز سب سے زیادہ تیزی سے ہماری یورِک ایسڈ کو کم کرتی ہے، اس ایکسرسائز سے ہم باقی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

وہ کون سے Foods ہیں جن سے یورِک ایسڈ بڑھتا ہے؟:

سب سے بڑی وجہ جس سے یورِک ایسڈ تیزی سے ہمارے جسم میں بڑھتا ہے، وہ ہے Red Meat ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم Red Meat کو کم سے کم لیں۔ یہ صرف یورِک ایسڈ ہی نہیں بڑھاتا بلکہ باقی بیماریوں میں بھی کافی اہم کردار نبھاتا ہے۔

Beef Organ (Meats) جیسے کہ لیور، دماغ، گردے یہ سب کھانے سے بھی یورِک ایسڈ تیزی سے بڑھتا ہے۔

کچھ سبزیاں جیسے مشروم، گوبھی بھی ہمارے یورِک ایسڈ کو بڑھاتی ہیں۔ جنہیں ہم صحیح تعداد میں کھائیں۔

کون سے کھانے یورِک ایسڈ بڑھنے پر فائدے مند ہیں:

سب سے زیادہ فائدے مند کھانا یا پھل جو ہمارے یورِک ایسڈ کو کم کرنے میں مدد کرتا ہے اس میں سب سے پہلے سیب اور انجیر ہیں۔ اگر ہم تازہ سبزی کا جوس لیں تو یہ بھی یورِک ایسڈ کو کم کرنے میں کافی اہم کردار نبھاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں زیادہ مقدار میں پانی پینا چاہیے تا کہ ہمارے جسم سے جو بھی زیادہ یورِک ایسڈ بنا ہے وہ باہر نکل جائے۔ (بقیہ صفحہ ۷۵ پر)

☆ استاذ-البرکات انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز، علی گڑھ (یو. پی)

مولانا محمد عارف رضا نعمانی

کیرئیر گائیڈنس

بارہویں کے بعد لاء کورسز-ایک تعارف

انسانی معاشرے کے تحفظ کے لیے قانون کا ہونا بہت ضروری ہے۔قانون کے مطابق زندگی گزارنے والے کے لیے کامیابی حاصل کرنا آسان ہے۔قانون کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک مذہبی قانون Religious law، دوسرا عام قانون Common law لیکن ہم یہاں مذہبی قانون سے قطع نظر عام قانون کی بات کریں گے اوراس مضمون میں قانون کے ان کورسز کا تعارف کرائیں گے جن میں بارہویں کے بعد طلبا داخلہ لے سکتے ہیں۔

ہر شہری کے لیے قانون کی تعلیم اس لیے ضروری ہے کہ ’’قانون‘‘ ہمارے ملک کے آئین کا سب سے بنیادی حصہ ہے۔ اور جو لوگ اس ڈگری کو حاصل کرتے ہیں انہیں ’’وکیل‘‘ کے عہدے سے نامزد کیا جاتا ہے۔

اس وقت ہندوستان میں قانون کی ڈگری بہت ساری یونیورسٹیوں اور مختلف تعلیمی سطحوں پر پیش کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں قانون کی ڈگری کا آغاز سن ۱۹۸۷ء میں تین سالہ پروگرام کے طور پر کیا گیا تھا، جسے ایڈوکیٹ ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت منظور کیا گیا۔ بی سی آئی (بار کونسل آف انڈیا) ہندوستان میں لاء ایجوکیشن کی چیف ریگولیٹری باڈی ہے۔

لاء کمیشن آف انڈیا نے ۱۹۸۵ء میں ہندوستان میں قانونی پیشہ کے تعلیمی معیار کو بڑھانے کے لیے ایک یونیورسٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد، ہندوستان میں پہلی لاء یونیورسٹی بنگلور میں قائم ہوئی، جسے "نیشنل لاء اسکول آف انڈیا یونیورسٹی" کا نام دیا گیا۔ اسے عام طور پر "NLS" کہا جاتا ہے۔ یہی وہ وقت تھا جب ہندوستان میں پہلی ایل ایل بی (LLB) کی ڈگری ۱۹۸۵ء میں شروع کی گئی تھی۔

ستمبر ۲۰۱۲ء کو، یو جی سی UGC نے ہندوستان میں ایک سالہ کورس ایل ایل ایم (LLM) قائم کیا۔

بارہویں کے بعد لاء کورسز:

قانون کو بارہویں کے بعد ایک اعلیٰ درجے کا کورس سمجھا جاتا ہے۔ بہت سارے طلبا قانون کی پڑھائی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن صحیح معلومات نہ ملنے کی وجہ سے بہت مشکلوں کا سامنا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں طلباء کسی بھی شعبے میں گریجویشن ڈگری مکمل کرنے کے بعد قانونی ڈگری حاصل کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں 12 ویں کے بعد یہ لاء کورس ہیں۔

بیچلر آف لا (LL.B.) ۳رسال

LLB وکالت کی پہلی سیڑھی ہے۔ یہ کورس تعلیمی مدت کے اعتبار سے دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک کورس ۳ سال میں پورا ہوتا ہے تو دوسرا ۵ سال میں پورا ہوتا ہے۔ ۳ سال والا LLB کا کورس وہی لوگ کر سکتے ہیں جو گریجویشن کر چکے ہوں۔ جب کہ ۵ سال والے کورس کی تعلیم آپ ۱۲ویں کے فوراً بعد ہی شروع کر سکتے ہیں۔ یہ ۵ سال والے کورس انٹیگریٹڈ انڈر گریجویٹ ڈگری کے تحت آتے ہیں۔ کیوں کہ یہ کورس گریجویشن کے تحت ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

B.A.LL.B, B.Sc., L.L.B, B.B.A, L.L.B., B.Com. L.L.B

ان تمام کورسز کا انتخاب فیکلٹی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ آپ جس فیکلٹی کو بنیاد بنا کر کورس کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ ان دونوں کورسز کو آپ کسی بھی مضمون سے بارہویں کرنے کے بعد کر سکتے ہیں۔

L.L.B کرنے کے بعد آپ وکیل بن سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو جج کی بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ- البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ (یو. پی)

بی اے ایل ایل بی میں داخلہ لینے کے لیے کسی بھی مضمون سے بارہویں ۵۵ فیصد مارکس سے پاس ہونا ضروری ہے۔ SC / OBC / ST کے لیے 45 فیصد ضروری ہے۔اس پانچ سالہ کورس میں ۱۰ سمسٹر ہوں گے۔اس میں داخلے کے لیے عمر 22 سال سے کم ہونی چاہیے۔یہ کورس آپ زیادہ سے زیادہ ۸ سال میں کر سکتے ہیں۔

ایل ایل بی میں داخلہ لینے کے لیے گریجویشن میں 55 فیصد مارکس ہونا ضروری ہے۔ SC / ST / OBC کے لیے 50 فیصد ضروری ہے۔اس تین سالہ کورس میں 6 سمسٹر ہوں گے۔ اس میں داخلے کے لیے عمر ۳۰ سال سے کم ہونی چاہیے۔یہ کورس آپ زیادہ سے زیادہ ۶ سال میں کر سکتے ہیں۔

ایل ایل بی کی ڈگری میں قانون کے ہی تمام مضامین ہوتے ہیں، جبکہ، بی اے،ایل ایل بی کی ڈگری میں قانون کے مضامین کے ساتھ آرٹس کے مضامین بھی شامل ہیں۔آپ بی اے ایل ایل بی میں داخلہ ۱۲ ویں کے بعد ہی لے سکتے ہیں،لیکن ایل ایل بی میں داخلے کے لیے امیدوار کے پاس بیچلر کی ڈگری ہونی چاہیے۔یہ دونوں کورسز اپنی اہمیت کے اعتبار سے برابر ہیں۔

ماسٹر آف لاء (ایل.ایل.ایم) ایک/دو سال

ایل ایل ایم بنیادی طور پر ایک یا دو سال کی لاء ایجوکیشن میں ماسٹر ڈگری ہے۔ LL.B کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ہی آپ LL.M میں داخلہ لے سکتے ہیں۔اس کورس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔LL.B میں 55 فیصد مارکس ہونا ضروری ہے۔جب کہ SC/ST/OBC/DISABLED OTHER کے لیے ۵۰ فیصد مارکس ہونا ضروری ہے۔یہ کورس کل چار سمسٹر کا ہوتا ہے۔زیادہ سے زیادہ چار سال میں اسے مکمل کر سکتے ہیں۔اور اس میں بھی داخلہ انٹرنس ٹیسٹ کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ایل ایل بی کورس مکمل کرنے کے بعد جو اسٹوڈینٹ اپنی قابلیت کو بہتر بنانا چاہتے ہیں یا کسی مخصوص ڈومین (قانون کے میدان میں) میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں،ان کے لیے یہ کورس بہت مفید ثابت ہوگا۔

LL.M کورس مکمل کرنے کے بعد،قانون داں کسی بھی ایسے شعبوں میں ملازمت حاصل کرسکتا ہے جس میں قانونی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔قانون فرموں،مشاورت،فنانس،کارپوریٹ،میڈیا اور پبلشنگ ہاؤسز،عدالتیں،رئیل اسٹیٹ،نجی وکیل اور وکیل، پیٹنٹ اٹارنی وغیرہ جیسے شعبوں میں وکیل،قانونی مشیر،ہندوستانی قانونی خدمات،مشیر، سالیسیٹر،قانونی مصنف وغیرہ کے طور پر جاب کر سکتے ہیں۔

ماسٹر آف بزنس لاء (ایم بی ایل)

(MBL) ایم بی ایل لاء ایجوکیشن میں ماسٹر ڈگری ہے جو بزنس لاء میں مہارت پیدا کرنے کے لیے بہتر ہے اور یہ کورس ایک سال کا یا دو سال کی اختیاری مدت کا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر آف فلاسفی (پی ایچ ڈی)

لاء ایجوکیشن مکمل کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کرنے کا بہت سنہرا موقع ہوتا ہے۔زیادہ تر اعلیٰ خودمختار ادارے پی ایچ ڈی کی سہولت مہیا کراتے ہیں۔

کسی بھی منظور شدہ یونیورسٹی سے لاء میں ماسٹر ڈگری 55 فیصد نمبروں سے حاصل کرنے کے بعد پی ایچ ڈی میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ساتھ میں پانچ سال کے درس کا تجربہ بھی ضروری ہے۔اس میں بھی داخلہ انٹرینس ٹیسٹ کے ذریعہ ہوگا۔اس کی کم سے کم مدت 3 سال ہے۔زیادہ مدت 5 سال ہے۔وہ امیدوار جو UGC، NET / JRF، SLET، اور ایم فل کے لیے کوالیفائی کر چکے ہیں۔وہ داخلہ ٹیسٹ کے بغیر بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔

انٹیگریٹڈ (LLM-MBA/LLM-MBL) 3 سال

اگر آپ بزنس لاء میں ماسٹر ڈگری کا کورس کرنا چاہتے ہیں تو پھر LLM-MBL یا LLM-MBA کا انتخاب کریں۔یہ 3 سالہ ڈگری پروگرام ہے جو ایل ایل بی مکمل کرنے کے بعد کیا جاسکتا ہے۔

لا ایجوکیشن میں داخلہ

طلبا، جو قانون میں داخلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہیں CLAT (کامن لاء داخلہ ٹیسٹ) دینا ہوگا۔قومی قانون یونیورسٹیوں (NLUs) اور متعدد دیگر اداروں میں داخلہ دینے کے

لیے CLAT کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس ٹیسٹ کے ذریعے طلبا کو انٹیگریٹڈ ایل ایل بی اور ایل ایل ایم کورس میں داخلہ دیا جاتا ہے۔

طلبا ۱۲ویں میں کسی بھی اسٹریم (سائنس اسٹریم / کامرس اسٹریم / آرٹس اسٹریم) والے قانون کورسز کا انتخاب کر سکتے ہیں۔(BCI) بی سی آئی امیدواروں کو LL.B مکمل کرنے کے بعد "سند آف پریکٹس" پیش کرتا ہے۔ قانون کے پیشے میں پریکٹس کرنے اور سند حاصل کرنے کے لیے درخواست دینے والوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ آل انڈیا بار امتحان (AIBE) کوالیفائی کریں۔ وہ طلبا جو غیر ملکی یونیورسٹیوں/ اداروں سے لاء کورسز کرنا چاہتے ہیں وہ ایل. ایس. اے. ٹی. (LSAT) کے لیے درخواست دے سکتے ہیں۔ جندال لاء گلوبل اسکول میں داخلہ ایل ایس اے ٹی (لاء اسکول داخلہ ٹیسٹ) کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ جو لاء اسکول ایڈمیشن کونسل، امریکہ کے ذریعہ لیا جاتا ہے۔

بہت ساری پرائیویٹ اور خود مختار یونیورسٹیز ہیں جو اپنا داخلہ ٹیسٹ خود لیتی ہیں۔۱۲ویں اور اعلیٰ تعلیم کے بعد لاء کورسز میں داخلہ لینے کے لیے یہاں کچھ مشہور انٹری ٹیسٹ ذکر کیے جاتے ہیں:

- AILET
- APLAWCET
- TSLAWCET
- DULLB
- MHCETLaw
- IPUCETLaw
- Allahabad University (LAT)

ہندوستان میں اعلی یونیورسٹیوں کی فہرست

ہندوستان کی اعلی یونیورسٹیوں پر ایک نظر ڈالیں جو قانون کی تعلیم پیش کرتی ہیں:

- National Academy of Legal Studies and Research (NALSAR), Hyderabad
- Jamia Millia Islamia, New Delhi
- Jamia Hamdard, New Delhi
- Banaras Hindu University, Varanasi
- The West Bengal National University of Juridical Sciences, Kolkata
- National Law University, Jodhpur, Jodhpur
- Gujarat National Law University, Gandhinagar
- Rajiv Gandhi National University of Law, Patiala
- Ram Manohar Lohia National Law University, Lucknow
- Hidayatullah National Law University, Raipur
- National University of Advanced Legal Studies, Kochi
- Chanakya National Law University, Patna
- National Law University Odisha
- National Law University, Delhi, New Delhi
- DamodaramSanjivayya National Law University, Visakhapatnam
- National University of Study and Research in Law, Ranchi
- Aligarh Muslim University Aligarh, U.P.
- National Law School and Judicial Academy, Assam, Guwahati
- Tamil Nadu National Law School, Srirangam
- Maharashtra National Law School, Nagpur

ان کے علاوہ، بہت ساری یونیورسٹیاں اور ادارے کام کرنے والے پیشہ ور افراد کے لیے آن لائن لاء کورسز پیش کرتے ہیں۔

ملازمتیں/ قانون میں کیریئر

جیسا کہ ہم جانتے ہیں، کیریئر کے آپشن کے طور پر قانون کا کافی احترام کیا جاتا ہے۔ یہ ایک قابل اعتماد میدان ہے۔ ابتدائی طلبا کو اپنے کیریئر کے آغاز کے دوران ابتدائی طور پر ایک مشہور قانونی فرم یا وکیل کے تحت کام کرنا ہوگا۔

بار کونسل آف انڈیا کے ایک حالیہ سروے کے مطابق ہندوستان کے ماہر وکلاء کی زبردست مانگ ہے۔ صرف ۲۰ رفیصد ہندوستانی قانون کے طلبہ ہی عدالت میں کام کرنے کے اہل ہیں۔ اگر آپ قانون کے طالب علم ہیں، تو آپ کچھ تجربہ حاصل کرنے کے بعد سرکاری وکیل، سالیسیٹر جنرل یا پرائیویٹ لاء کمپنیوں کا حصہ بن سکتے ہیں۔ آپ پبلک

سروس کمیشن کا امتحان بھی دے سکتے ہیں اور اس کے ذریعے جج بھی بن سکتے ہیں۔آج، وکلاء وزارت، سرکاری محکموں اور مختلف لیگل مشورتی تنظیموں میں بھی کام کرتے ہیں۔یہاں تک کہ اگر آپ ملک کے باہر کام کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو، برطانیہ اور امریکہ میں اچھے امکانات موجود ہیں کیونکہ ہندوستان کا قانون برطانیہ کے قانون سے ملتا جلتا ہے۔

لاء کی تعلیم کے تحت کئی کورسسز آتے ہیں۔جیسے کرمنل لاء، کارپوریٹ لاء، پیٹنٹ اٹارنی، سائبر لاء، فیملی لاء، بینکنگ لاء، ٹیکس لاء۔اس میں بھی اپنی دلچسپی کے مطابق اسپیش لائزیشن کر سکتے ہیں۔

وکلاء کے کچھ عہدہ یہ ہیں:

☆ فوجداری وکیل (Criminal Lawyer)

☆ سول قانونی چارہ جوئی کا وکیل (Civil Litigation Lawyer)

☆ قانونی تجزیہ کار (Legal Analyst)

☆ دستاویز ڈرافٹنگ وکیل (Document Drafting Lawyer)

☆ قانونی صحافی (Legal Journalist)

☆ قانونی مشیر (Legal Advisor)

☆ سرکاری وکیل (Government Lawyer)

☆ جج (Judge)

کتابیں اور مطالعہ کا مواد

بہت ساری قانون کی کتابیں خاص طور پر انڈر گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ اور ڈاکٹریٹ لیول لاء کورسز کے لیے دستیاب ہیں۔

- Introduction to the Constitution of India by D.D. Basu
- Public Administration by M Laxmikanth
- Indian Constitutional Law by M.P. Jain
- Criminal Law –Incorporating the Criminal Law)Amendment(Act, 2013by P.S.A. Pillai
- Manual of Labour Laws by Waseem Ahmad Qureshi
- Development of the concept of Human Rights Under International Law by Dr. Vijay Chitnis
- Private Security and The Law by Charles Nameth

(صفحہ ۷۱ کا بقیہ)......اس کے علاوہ لیموں کا رس اور ہری چائے (Green tea) بھی ہمارے یورِک ایسڈ کو کافی تیزی سے کم کرتی ہے۔

اس کے علاوہ آملہ، سنترے یا ایسے سارے پھل جن میں وٹامن-سی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے ہمارے لیے بہت فائدے مند ہیں۔

یورک ایسڈ کا لیول کیا ہونا چاہیے؟

مردوں میں 3-5 to 7-0 mg/dl

عورتوں میں 2-5 to 5-7 mg/dl

اگر ہمارے ہاتھوں میں یا پیروں میں یا جسم کے کافی حصوں میں لگا تار درد ہے تو ہمیں فوراً اپنا یورک ایسڈ چیک کرانا چاہیے اور اگر یہ طے مقدار سے زیادہ ہے تو ہمیں فوراً ڈاکٹر سے مشورہ کر کے اس کی دوا شروع کرنی چاہیے۔دوا شروع کرنے سے پہلے ہم اوپر دی ہوئی بہت سی چیزوں سے بھی اپنا یورک ایسڈ کم کر سکتے ہیں۔جیسے کہ کھانے پینے میں تبدیلی کر کے، ایکسر سائز کر کے اور بہت سے ایسے پھل لے کر جو ہمارے یورِک ایسڈ کو کنٹرول میں رکھیں گے۔

تھوڑی سی لاپرواہی بڑی بیماری کی وجہ بن سکتی ہے:

اکثر ہم لوگ ہاتھ یا پیر کے درد کو زیادہ توجہ نہیں دیتے۔اور بہت سے لوگ اس کو کم کرنے کے لیے کوئی دوائی کھا لیتے ہیں، ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے جسم میں درد کی وجہ کیا ہے۔

ہم درد کو کم کرتے ہیں اس کی وجہ کو نہیں۔اصل میں اکثر مرتبہ خاص طور پر پیروں میں درد کی وجہ یورِک ایسڈ کا بڑھنا ہوتا ہے۔جب یہ زیادہ بڑھتا ہے تو اس کا سیدھا اثر ہمارے گردوں پر پڑتا ہے اور دیر میں پتہ چلے تو بہت مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ اس سے گردے بھی خراب ہو جاتے ہیں۔

ہر سال ہندوستان میں کڈنی کے تین لاکھ نئے مریض بڑھ رہے ہیں۔ہمیں چاہیے کہ ہم کم سے کم سال میں ایک بار یورک ایسڈ ضرور چیک کرائیں۔خاص طور پر اگر ہماری عمر ۳۰ر سال سے زیادہ ہے۔تو ہمیں ضرور چیک کروانا چاہیے۔

ادارہ

خبریں

خانقاہ برکاتیہ سے متعلق خبریں

سلطان الہند کی شان میں گستاخی برداشت نہیں

(خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف کا امیش دیوگن کے بیان کے خلاف شدید ردعمل ۱۷ر جون ۲۰۲۰ء)

News 18 India ٹیلی ویژن کے Anchor امیش دیوگن نے سلطان الہند خواجہ غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کی شان میں ان کو 'آکرانتا و لٹیرا' کہہ کر جو گستاخی کی ہے اس کو ہندوستانی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ جب میڈیا نے ہندوستان کے روحانی پیشوا کی شان میں گستاخی کی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے عظیم نمائندے ہیں۔ جن کے دبار میں مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوم کے لوگ خاص کر ہندو بھائی بڑی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ میڈیا کے لوگ اس حد تک گر کر نفرتوں کی تبلیغ کریں گے ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ یہ بھی یاد رکھا جانا چاہیے کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمان غریب نواز پر اپنی جان قربان کرتے ہیں۔ لہٰذا اس نازک وقت میں جب کووِڈ-۱۹ سے کروڑوں ہندوستانی جوجھ رہے ہیں اور ملک معاشی بحران سے گزر رہا ہے، مزدور اور کام گار طبقہ بھوک اور محرومی سے دم توڑ رہا ہے۔ ایسے ماحول میں ملک کو فرقہ پرستی اور نفرت کی آگ میں جھونکنے کا کام چند موقعہ پرست و لالچی میڈیا کے افراد کر رہے ہیں۔

خانقاہ برکاتیہ حکومت کو یہ مشورہ دینا چاہتی ہے کہ ملک کی امن و شانتی و خیر سگالی کو برقرار رکھنے کے لیے اس قسم کی حرکتوں اور حرکت کرنے والوں پر سخت پابندی لگائے اور غیر جانب دار حکومت ہونے کا ثبوت فراہم کرے۔ جیسا کہ ''سب کا ساتھ، سب کا وِکاس اور سب کا وِشواس'' کا نعرہ حکومت دیتی آئی ہے، تو ایسے میں ہندوستان کی دوسری سب سے بڑی اکثریت کے جذبوں اور عقیدتوں کو پامال کرنا کیا ملک کے دستور کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ اس پر غور کریں۔

خانقاہ برکاتیہ حکومتِ ہندوستان سے مطالبہ کرتی ہے کہ جس کے دربار میں حکومت سرکاری چادر بھیج کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتی ہے اس عظیم صوفی اور نہ صرف مسلمانوں بلکہ کروڑوں ہندو دھرم کے ماننے والے لوگوں کی عقیدت کے مرکز خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کرنے اور ان کو ''آکرانتا و لٹیرا'' کہنے والے فرقہ پرست اور نفرت کی ذہنیت رکھنے والے صحافی امیش دیوگن کو گرفتار کرے اور اس کے خلاف سخت قانونی کاروائی کرے۔

سید محمد امین قادری
سجادہ نشین
خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ شریف، ضلع: ایٹہ (یو. پی)

سید نجیب حیدر نوری
سجادہ نشین
خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ شریف، ضلع: ایٹہ (یو. پی)

عرس نوری ۲۰۲۰ء:

عالمی شہرت یافتہ قادری مشرب کی امین برصغیر پاک و ہند کا عظیم قادری مرکز خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ یوپی میں خانقاہ برکاتیہ کے گل سرسبد ساتویں قطب اسعد العارفین سند الواصلین سیدنا حضور ابوالحسین احمد نوری عرف نوری میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ۱۱۷ رواں منایا گیا۔ ۱۰ ررجب المرجب ۱۴۴۱ھ ہجری مطابق ۶ رمارچ ۲۰۲۰ بروز جمعہ مبارکہ قبل طلوع فجر ہی حضور سید نجیب حیدر نوری دام ظلہم العالی کی سربراہی میں حضور سید امان میاں صاحب قبلہ و جامعہ احسن البرکات کے اساتذہ و طلبہ درگاہ برکاتیہ میں حاضر تھے۔ حضرت قاری ابرار صاحب نے آیت نور کی تلاوت فرمائی خالد رضا احسنی نے قصیدہ نور پڑھا، صلوۃ وسلام اور سرکار رفیق ملت دام ظلہ العالی کی دعا پر اذان فجر کے وقت محفل کا اختتام ہوا۔ بارش کی وجہ سے قبل جمعہ جو محفل درگاہ برکاتیہ میں منعقد ہوتی تھی وہ نہ ہوسکی۔

عرس نوری کی محفل مشاعرہ:

جمعہ مبارکہ کا دن گزر کر شام کو بارش کی وجہ سے گلشن برکات کے میدان میں مشاعرہ نہ ہوسکا۔ اسی وجہ سے جامعہ احسن البرکات کی جدید عمارت میں مشاعرہ کی محفل سجی۔ حضرت قاری عرفان صاحب کی نظامت میں حضرت قاری یونس صاحب قبلہ کی تلاوت سے محفل کا آغاز ہوا احسنی طلبہ کے ذریعہ حمد و نعت اور منقبتوں کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ تقریباً دس بجے تمام شعرائے کرام محفل میں تشریف فرما ہوئے۔ اولاً حضرت مولانا قاری قاسم حبیبی صاحب نے تمام شعراء کا تعارف کرایا، پھر جناب ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی صاحب کی نظامت اور شرف ملت حضور اشرف میاں صاحب قبلہ کی صدارت میں باقاعدہ مشاعرے کا آغاز ہوا۔ حضور اشرف میاں دام ظلہ العالی کے خطبۂ صدارت کے بعد جناب کلیم دانش کانپوری نے اپنا کلام پیش کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے حضرت قاری قاسم حبیبی برکاتی کانپوری، نفیس بدایونی، خالد ندیم بدایونی، عزام میاں بدایونی، عطیف میاں بدایونی، عزم شکری، طاہر فراز، جوہر کانپوری، سید سراج اجملی، ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان، جمیل افغانی، سریندر کمار

اور سب سے آخر میں پروفیسر وسیم بریلوی صاحب نے اپنا کلام پیش کیا۔ حضور شرف ملت کے کلام اور دعا پر ہی محفل مشاعرہ بخیر و خوبی تقریباً ڈھائی بجے شب مکمل ہوئی۔

۱۱ ررجب المرجب مطابق ۷ رمارچ ۲۰۲۰ء بروز شنبہ صبح نو بجے سے قاری جان عالم احسنی صاحب کی تلاوت سے محفل کا آغاز ہوا۔ احسنی طلبہ کے ذریعہ حمد و نعت اور مناقب اولیا کا سلسلہ چلتا رہا۔ دو احسنی طلبہ نے ہی دو عنوانات پر شاندار خطاب کیا۔ حضور رفیق ملت نے بھی سی.اے.اے، این.آر.سی. اور این. پی.آر. پر مفید رہنمائی فرمائی۔ تقریباً ۱۱:۳۰ ربجے صلوۃ وسلام اور تاج المشائخ حضور سید امین میاں صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کی دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔

شب خرقہ پوشی:

شب خرقہ پوشی میں گلشن برکات کے وسیع و عریض میدان میں محفل کا آغاز احسنی طلبہ و جامعہ کے اساتذہ کے ذریعہ شام آٹھ بجے ہی ہوگیا تھا۔ تقریباً ۹:۳۰ ربجے حضور رفیق ملت دام ظلہ العالی بزرگان دین کے تبرکات و ملبوسات زیب تن فرماکر حجرۂ سجادگی سے ظاہر ہوئے۔ درگاہ برکاتیہ میں حاضری کی، اس کے بعد حاضرین کے ذریعہ نعرہائے تکبیر و رسالت اور اسم جلالت، اللہ اللہ، کا غلغلہ بلند کرتے ہوئے منبر نور میں تشریف فرما ہوئے۔ عمران جے پوری صاحب کے منظوم خراج عقیدت کے بعد حضرت سید امین القادری مالے گاؤں نے ایک گھنٹہ شاندار اصلاحی خطاب فرمایا۔ حضرت وقار عزیزی صاحب نے بھی خاندان برکات کی دینی خدمات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔

اس کے بعد جامعہ احسن البرکات کے شعبۂ حفظ وقرات عمومی و خصوصی سے فارغین طلبہ کی دستار بندی ہوئی۔ شعبہ حفظ سے ۱۳ رطلبہ قرأت خصوصی سے ۷ رقرات عمومی سے ۱۷ رطلبہ سند و دستار سے سرفراز ہوے۔ اس طرح جامعہ احسن البرکات سے امسال ۳۷ رطلبہ فارغ ہوے۔ اسی کے ساتھ البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ جو کہ سرکاران مارہرہ کے ذریعہ ہی قائم کردہ ادارہ ہے۔ وہاں دوسال کا خصوصی کورس کرنے والے ۱۶ رعلما کرام کو بھی دستار و سند سے نوازا گیا۔ سبھی فارغین طلبہ

کو خصوصی انعامات بھی عطا کیے گئے۔تقریباً ایک بجے رات صلوٰۃ وسلام اور حضور تاج المشائخ کی دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔

قل کی محفل:

۱۲؍رجب المرجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۸؍مارچ ۲۰۲۰ء بروز یکشنبہ صبح نو بجے سے ہی گلشن برکات میں احسنی طلبہ کے ذریعہ حمد ونعت اور مناقب کا سلسلہ جاری رہا۔ دس بجے سرکاران وشہزادگان خاندان برکات منبر نور پر جلوہ افروز ہوے۔حضرت مفتی حنیف صاحب برکاتی نے شاندار خطاب فرمایا۔قاری قاسم حبیبی برکاتی اور کلیم دانش کانپوری نے منظوم خراج عقیدت پیش فرمایا۔حضور تاج المشائخ دام ظلہ العالی نے ملکی سیاست سے متعلق مفید نصیحتوں سے نوازا ۱۲:۳۰؍بجے صلوٰۃ وسلام کے بعد حضور تاج المشائخ کی دعا پر عرس نوری کی آخری محفل کا اختتام ہوا۔اس کے بعد آثار متبرکہ کی زیارت کرائی گئی۔

جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف میں آن لائن تعلیم کا شاندار اور باضابطہ آغاز:

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف اپنے علمی کارناموں اور سرگرمیوں کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں،مشکل حالات میں بھی امت کی رہنمائی خانقاہ شریف کا طرہ امتیاز ہے۔

خانقاہ برکاتیہ کا علمی ترجمان جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف جو بانیان وسربراہان ادارہ کے خلوص وللّٰہیت اور ترویج علم کے جذبہ صادق کی وجہ سے اپنی مختصر سے مدت میں ہی ہندوستان کے مانے جانے اسلامی جامعات میں شامل ہوگیا ہے۔

اس وقت جب کہ لاک ڈاؤن اور کرونا مہاماری سے پوری دنیا لڑ رہی ہے اور ایک مشکل وقت سے گزر رہی ہے،معاشی،اقتصادی،اور تعلیمی ہر طرح کی سرگرمیاں سرد پڑ گئی ہیں لیکن وہیں دینی تعلیم کا نیا سال ۱۰ شوال سے شروع ہوتے ہی ہندوستان بھر کے مدارس نے آن لائن تعلیم کی شروعات کی جس میں *جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف* نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

کرونا وائرس کی وبا کے پیش نظر حکومتی احکام کو بروئے کار لاتے ہوئے جامعہ میں سالانہ امتحان کے بغیر ہی ۱۸/ مارچ کو چھٹی کرنی پڑی تھی۔

لیکن اس طویل تعطیل کے دوران بھی جامعہ احسن البرکات نے وہ کارنامہ انجام دیا جو شاید تصور بھی نہ کیا جا سکے۔

اواخر مارچ سے ہی سربراہ ادارہ حضور رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر میاں برکاتی اَطال اللہ عمرہ کے حکم سے جامعہ کے تمام درجات کی آن لائن کلاس شروع ہوگئی جو عید سے ایک دن پہلے تک جاری رہی، جس میں ہر جماعت کے وہاٹس ایپ گروپ بنایا گیا اور اساتذہ روزانہ اپنی پڑھائی ہوئی کتاب سے ایک یا دو سوال کرتے اور طلبہ حل کر کے اس کا جواب ارسال کرتے اس طرح طلبہ نے اگرچہ باضابطہ معمول کے مطابق سالانہ امتحان تو نہ دیا مگر عید تک (تقریباً دو مہینہ) آن لائن کلاس جڑے رہ کر روزانہ ہر کتاب سے اساتذہ کے سوالات کا جواب دیتے رہے اور یوں ان کے امتحان نہ دینے سے جو نقصان ہو رہا تھا وہ نہ ہوا بلکہ خوب مستفید ہوئے،تعطیل کے دوران آن لائن کلاس میں طلبہ کے ذریعہ دیے گئے سوالات کے جوابات کا تجزیہ کرتے ہوئے ادارہ نے طلبہ کو کامیاب مان کر اگلے جماعت میں داخلے کی منظوری دی۔

اور ٹھیک ۱۰/شوال کو zoom app کے ذریعے طلبہ نے اساتذہ سے از سر نو آن لائن ویڈیو کالنگ کے ذریعہ نئے تعلیمی سال کا آغاز کر دیا،الحمد للہ! ہر جماعت کا وہاٹس ایپ گروپ پہلے ہی تھا اب اساتذہ کو کلاس ٹیچر بنایا گیا اور نئے نظام الاسباق کے مطابق اساتذہ نے طلبہ کو درس دینا شروع کر دیا،جس کا دورانیہ مکمل ۵/ گھنٹے ہے اور ہر گھنٹی ۵۰ منٹ کی ہے ایک گھنٹی ۵۵ اور ایک مکمل ایک گھنٹے کی ہے

آن لائن تعلیم میں جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف کے اساتذہ و طلبہ کا ذوق وشوق دیدنی ہے،اساتذہ وقت کی پابندی کرتے ہوئے طلبہ کو لنک بھیجتے ہیں اور طلبہ لنک کے ذریعے اساتذہ سے روبرو ہو کر اکتساب فیض کرتے ہیں۔

ابتدا میں طلبہ کو آن لائن جوائن ہونے میں کچھ مشکلات کا سامنا ہوا مگر اساتذہ کی رہنمائی سے ایک دو دن میں مشکلات حل ہوگئیں اور اب اطمینان بخش طریقے سے آن لائن تعلیم کا سلسلہ چل رہا ہے۔اللہ اساتذہ وطلبہ کے ذوق کو سلامت رکھے اور جذبوں میں اخلاص عطا فرمائے۔آمین...... (رپورٹ: مولانا شاداب امجدی برکاتی، استاذ: جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف)

ادارہ

حل اللغات

مشکل الفاظ کی تشریح

پنتھ: فرقہ، قوم، مذہب۔
کھیون ہار: کشتی پار لگانے والا، مصیبتوں سے نکالنے والا۔
استغنا: مالداری۔
تگ ودو: کوشش، محنت ومشقت۔
صاحب النعل والوسادہ: وہ شخص جو جوتے چپل اور تکیہ بچھونا کی نگہبانی کرتا ہے۔
مباہات: فخر، شان وشوکت۔
کالعدم کرنا: ختم کرنا۔
خوشہ چیں: دوسروں کی چیز سے فائدہ اٹھانے والا، فیض حاصل کرنے والا
حبس بے جا: خلاف قانون گرفتاری۔
اعلامیہ: سرکاری اعلان۔
بردہ فروشی: غلاموں کی خرید وفروخت۔
قرون مظلمہ: تاریک زمانے۔
سکینہ: اطمینان وسکون۔
جمروں: میدان منی میں شیطانی علامات کے ستون جن پر حج وعمرہ کے دنوں میں کنکری ماری جاتی ہیں۔
گریز کرنا: بھاگنا، دور ہونا
استفادہ: فائدہ حاصل کرنا
عصریات: دنیاوی علوم
رفاہی، رفاہ: فلاح وبہبودی کے کام، معاشرہ کی بھلائی کے کام
وافر: بہت زیادہ

انسداد: روک تھام
بِنا: بنیاد، دارومدار
اولیاتِ عمر: وہ کام جس کی ابتدا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمائی۔
لنگر انداز ہونا: ٹھہر جانا
حِدَّت: تیزی
کدورت: نفرت، کینہ
اوہام فاسدہ: برے خیالات
گرویدہ: دیوانہ، شیدائی
جوئے شیر: دودھ کا دریا
ملتجی: درخواست کرنے والا
اقلیم: ملک
آئین: Constitution، دستور اساسی
مشیر: مشورہ دینے والا
دورانیہ: مقررہ وقت، Duration
بستہ: بندھا ہوا، بیگ
سن رسیدہ: عمر دراز
مضراب: انگلی کی مدد سے ساز خصوصاً ستار وغیرہ بجانے کا ایک چھوٹا سا آلہ
خستہ: بدحال، پریشان حال
قلم رو: ملک، سلطنت، عملداری، مملکت

R.N.I Ref. No. : 1287438 QUARTERLY Title Code: UPHIN/2016/69091

Vol.: 02
Issue No.: 03

PAYAM~E~BARKAAT

Rs. 35/-
Total Pages: 79

Al-Barkaat Islamic Research & Training Institute, Jamalpur, Aligarh -202122, (U.P) E-mail: payamebarkaat@gmail.com

AL-BARKAAT Educational Institutions

AL-BARKAAT PUBLIC SCHOOL

From: Nursery to 10+2 (with all stream)
*Qualified & Competent Teachers, **State-of-the-art Computer & Science Labs,
***Sprawling Sports Infrastructure ****Emphasis on overall Personality Development
Separate Section for Girls from 6th to 12.
www.albarkaat.com, e-mail: abpsprincipaloffice@gmail.com, Phone: 8899691307, 9045502007 (Ext. 202)

AL-BARKAAT INSTITUTE OF MANAGEMENT STUDIES (MBA)

Approved by AICTE, GOI, New Delhi & Affiliated to Dr. A.P.J. Abdul Kalam Technical University (Formerly UPTU), Lucknow
Course: *Master of Business Administration (MBA)
Eligibility: Graduate with 50% and See Rank Holder of UPSEE-16 Rank Holder, CAT-2016 Rank Holder, MAT-2015
Duration: 2 Years
www.abims.ac.in, e-mail: admission@abims.ac.in | abims117@rediffmail.com, Phone: 9105178607, 9105178608, 9045502007 (Ext. 802)

AL-BARKAAT INSTITUTE OF EDUCATION (B.Ed.)

Approved by NCTE, Jaipur & Affiliated to Dr. B.R. Ambedkar Univesity, Agra
Course: Academic Programme * (B.Ed.)
www.abie.ac.in, e-mail: abie.b.ed@gmail.com, Phone: 9105178604, 9045502007 (Ext. 901)

AL-BARKAAT ISLAMIC RESEARCH & TRAINING INSTITUTE

Course: Advance Diploma in Islamic Studies & Personality Development
Duration: 2 Years
www.albarkaat.com, e-mail: director.abiriti@gmail.com, Phone: 9105178603, 9045502007 (Ext. 903)

AL-BARKAAT PUBLIC SCHOOL (AFTERNOON SHIFT) UNDER PROJECT "RAHAT"

*Specially for Educationally & Economically Weaker Section of the Society,
**Fees Rs. 100/- Per Month Only, ***Dress & Books will be provided free of cost by the school.
www.albarkaatrahatproject.org, e-mail: afternoonschool.albarkaat@gmail.com, Phone: 9105706786, 9045502007 (Ext. 107)

AL-BARKAAT COLLEGE OF GRADUATE STUDIES

Affiliated to Dr. B.R. Ambedkar University, Agra
Course: BBA & BCA
*Focus on Personality Development, **Yearly Scholarship to Meritorious & Economically Weak Students,
***Fully Equipped Lab. & Sports Facilities
www.abcgs.org, e-mail: abcgsaligarh@gmail.com, Phone: 9105178606, 9045502007 (Ext. 906)

AL-BARKAAT SYED HAMID COMMUNITY COLLEGE

Courses Jointly Certified by NIELIT & NCPUL, Ministry of HRD & IT Govt. of India
*Diploma in Urdu Language, **Diploma in Arabic Language,
***Diploma in Calligraphy & Graphic Design,
****Diploma in Refrigeration and Air Conditioners, *****Certificate Course in Food Production,
******Certificate Course in Garment Making
e-mail: abccsl12@gmail.com, Phone: 9105178605, 9045502007.

Separate Hostel Accommodation for Boys and Girls

Al-Barkaat Masjid

Qadiria Girls Section

Junior Wing

Al-Barkaat Hostels

Senior Wing

Nursery Section

Islamic Research & Training Institute | Institute of Education (B.Ed.) | College of Graduate Studies | Institute of Management Studies (MBA)